TEHMEED

تمہید

گذشتہ زمانہ میں جس شخص کو کسی ایسی چیز میں کمال حاصل ہوتا تھا جس سے عوام کو بھی دلچسپی ہو تو اس کے متعلق طرح طرح کی عجیب و غریب روایتیں گھڑی جاتی تھیں جو اس کے تذکرہ کو دلچسپ بنانے کے لیے ہر ایک محفل میں بطور نقل مجلس کے استعمال کی جاتی تھیں۔ اس میں کچھ ایشیا ہی کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ اہل یورپ کا بھی یہی حال تھا۔ ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسی جب بہت مقبول ہوئیں تو اس کی طرف ایسی ایسی روایتیں منسوب کی گئیں۔ جن کو دیکھکر بعض مورخوں نے یہ کہہ [illegible] کوئی شخص ہی نہیں گزرا اور یہ نام فرضی ہی۔

اسی طرح کے لیلی و مجنوں کے عشق کے قصے ہیں۔ جس نے محبت کا کوئی دلچسپ لطیفہ سوچا۔ انہیں کی طرف منسوب کردیا۔ ہندوستان میں خسرو اور بیربل ظرافت کے لیے نامزد ہوگئے ہیں۔ عوام نے ہزارہا لطیفے ان کے نام سے گھڑ لیئے ہیں۔ خواجہ حافظ جن کی غزل شاعرانہ کمال کی آخری حد اور انسانی طبیعت کے لیے ایک لطیف روحانی غذا ہی اس کُلیّہ سے کیونکر مستثنےٰ رہ سکتے تھے۔ ابتدا ہی سے ان کی شاعری انسانی فطرت سے بالاتر سمجھی گئی کسی [illegible] کسی نے ملہم سمجھا۔ کسی نے مجذوب صوفی کہا۔ کسی نے [illegible] ٹھہرایا۔ اور اسی قسم کی طرح طرح کی روایتیں ان کی ط[illegible]

میں بیان ہونے لگیں۔ اور کتابوں میں لکھی جانے لگیں۔ ان طلسمی حکایتوں کے مقابل میں ان کی زندگی کے اصل حالات اور واقعات کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں کی۔ اور زمانہ کی موجیں اپنے ساتھ ساتھ ان کو لیتی گئیں۔

خواجہ کے اندر دو قسم کے کمال تھے یعنی ایک تو وہ نہایت بزرگ صوفی تھے۔ دوسرے بہت بڑے شاعر۔ ان دونوں حیثیتوں سے بہت کچھ ان کے متعلق لکھا جانا چاہیے تھا۔ ہم نے جس وقت ان کا تذکرہ لکھنے کا ارادہ کیا تو شعراء کے تذکرے دیکھے صوفیہ اور مشائخ کے حالات پڑھے بہت سی تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کیا مگر سوائے تھوڑے سے حالات اور چند خرافات حکایتوں کے اور کچھ نہ ملا۔

فارسی کی معمولی کتابیں جن میں خواجہ کے کچھ حالات مل سکے یہ ہیں۔

نفحات الانس۔ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ سفینۃ الاولیا۔ آتشکدہ۔ خزانۂ عامرہ۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر مفتاح التواریخ وغیرہ۔

تاریخ فرشتہ اور تاریخ نادری۔ میں بھی کہیں کہیں بعض بعض قصے ضمناً آ گئے ہیں انگریزی میں جو تصنیفات فارسی ادب یا خود خواجہ کے متعلق ہوئی ہیں ان میں سے بھی اکثر کتابیں ہم نے دیکھیں مثلاً مسٹر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا لوئسا کی "روز گارڈن آف پرشیا" انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گور اوسلی کے بایوگرافیکل نوٹس آن پرشین پوئٹس" کپتان کلارک کا دیوان حافظ کا ترجمہ ولیم جونس کا ترجمہ بکنل کا

...ہی قصے اور وہی روائتیں کسیقدر زیادہ آب و تاب کے ساتھ

...نے سُنا۔ کہ ڈاکٹر گاتھیل نے جو امریکا کی کولمبیا یونیورسٹی

...یٹ کلاسکس" کے سلسلہ میں فارسی ادب پر ایک

بسوط کتاب لکھی ہی۔ بڑی جستجو سے اس کو حاصل کیا اور خواجہ کے حالات پڑھنے شروع کیے مگر ہم کو یہی امتیاز کرنا مشکل ہو گیا کہ آیا یہ کتاب جس کو ہم پڑھ رہے ہیں کوئی تاریخ ہی یا ناول ہی۔

اسی اثنا میں ہم کو ایک گنج مخفی کا پتہ لگا یعنی دہلی کے نواب احمد سعید خانصاحب نے مدرستہ العلوم علیگڈھ کو بہت سی کتابیں دی ہیں جو کتب خانہ سے الگ محفوظ رکھی ہوئی ہیں ان میں سے سینکڑوں کتابیں جو زیادہ تر قلمی اور پرانے زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں فارسی ادب اور تاریخ کے متعلق ہیں ہم نے اس بیش بہا ذخیرہ کو بھی چھان ڈالا۔ کئی ایک نئے تذکرے اور نئی تاریخیں ملیں۔ لیکن اُن معلومات میں جو خواجہ کے متعلق ہم کو پہلے سے حاصل تھیں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں ہوا۔

ان تذکروں میں سے ایک تذکرہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہی۔ اس کا نام ہی تذکرۂ پنڈت خوشگو افسوس ہی کہ شروع اور آخر کے بہت سے ورق نہیں ہیں اس وجہ سے اس لائق پنڈت کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

اس پر سنہ ۱۸۶۳ع کی ایک یاداشت لکھی ہوئی ہی کہ بنجے نور علی تنباکو فروش سے ۱۵ار میں خرید کیا گیا۔ میرا خیال ہی کہ اسی تنباکو فروش نے اس کے بیش قیمت ورقے پڑیوں میں صرف کئے ہونگے۔

تمام تذکرہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ پنڈت کا تخلص عاشی ہی اور وہ پٹنہ کا رہنے والا ہی زندہ دل پنڈت اپنے آپ کو خواجہ کا روحانی شاگرد سمجھتا ہی اس نے کسی شاعر کا حال چار سطروں سے زیادہ میں نہیں لکھا ہی لیکن خواجہ کے حالات ایک جزو پر بھی تمام نہیں ہوئے وہ خواجہ کا نہایت عقیدت مند ہی اور یہ عقیدت مندی اس کو بطور میراث

کے ملی ہے اس نے لکھا ہے کہ میرے دادا جو جہاں زیب بانو بیگم بنت شاہزادہ دارا شکوہ کی سرکار میں ملازم تھے۔ ہر وقت دیوان حافظ بغل میں رکھتے تھے۔ اور میرے باپ جو اجمیر میں شاہی توپ خانے کے افسر تھے ہر شب جمعہ کو خواجہ کی نذر میں مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

الغرض جہاں تک ہمارے امکان میں تھا ہم نے جستجو میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر پھر بھی ایسے معتدبہ حالات نہیں معلوم ہو سکے جو خواجہ کے مستقل تذکرہ لکھنے کی ہمت دلاتے ابتدا ہی میں جب ہم نے اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا ہمارے ایک کرمفرمانے اُردو کے موجودہ مصنفوں میں سے ایک ممتاز مصنف کا نام لیا کہ وہ بھی خواجہ کا تذکرہ لکھنا چاہتے تھی۔ مگر اسی وجہ سے نہیں لکھا کہ کچھ حالات نہیں مل سکے۔ اس وقت تو ہم نے یہ جواب دیا تھا ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے یکساں جواب | آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

مگر حقیقت میں یہ سیر آسان نہیں ہے ع کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

مگر چونکہ خواجہ کے ساتھ دن بدن دنیا کو زیادہ ذوق ہوتا جاتا ہے۔ اسلیے جو کچھ بھی حالات مل سکے تھے دل نے اُن کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور گو ان کی زندگی کا کوئی بڑا کارنامہ یا کوئی مفصل کیفیت نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن پھول نہیں تو پنکھڑی ہی سہی انہیں غنیمت سمجھکر مرتب کر لیا۔ اور ناظرین کی خدمت میں پیش کرنیکی جرأت کی اُمید ہے کہ احباب اس میں ہمارا زیادہ قصور نہ سمجھیں گے۔ کیونکہ ہم تو گذشتہ مورخین کے پابند ہیں جو حالات ان کی کتابوں میں ہم کو ملیں گے وہی ہم آپ کی خدمت میں پیش کر سکینگے۔ ہمارا تو یہ حال ہے ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند | آنچہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

نام ونسب اور تعلیم

خواجہ کا لقب شمس الدین نام محمدؐ اور تخلص حافظ ہے۔

ان کے آبا واجداد مقام سرکان کے باشندے تھے جو شہر نہاوند کے قریب ہے۔

ان کے دادا شیراز میں آگئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔

کسی تذکرہ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کا کیا نام تھا۔ البتہ اتنا پتہ لگتا ہے کہ وہ بڑے نیک تھے تجارت ان کا پیشہ تھا اور شیراز میں ان کی عزت اور وقعت تھی۔

خواجہ کے والد کا نام مولانا کمال الدین تھا جو علماء اور اہل کمال میں سے شمار کیے جاتے تھے اور اپنی آبائی تجارت کی وجہ سے دولتمند تھے۔

خواجہ کے ایک چچا بھی تھے جن کا نام سعدی تھا (یہ شیخ سعدی گلستاں و بوستاں کے مصنف نہیں ہیں) وہ ایک صوفی منش شاعر اور بڑے باکمال تھے۔

س سے زیادہ خواجہ کے خاندانی حالات نہیں معلوم ہو سکے لیکن یہ تمام مورخ لکھتے

نا گھرانا علم وفضل اور خاندانی وجاہت کے لحاظ سے شیراز م

پیدائش شیراز میں ہ

اس میں وہ طلبار کو فقہ و تفسیر پڑھائیں۔ یہ مدرسہ ۷۴۵ھ میں قائم ہوا تھا۔ اس لیے یہ قیاس کیا جاسکتا ہی کہ ایسی لیاقت اور شہرت پیدا کرنے کے لیے جو ایک مدرسہ قائم کرنے کی سفارش کرے کم سے کم تیس سال کی عمر ہونی چاہیے۔

خواجہ چونکہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جس میں علم و فضل موجود تھا۔ اسلیے بچپن ہی سے تحصیل علم میں لگائے گئے پہلے اُنھوں نے قران حفظ کیا اور اسی وقت سے حافظ کہے جانے لگے یہ لقب ان کو اتنا پسند آیا کہ یہی اُنھوں نے اپنا تخلص بھی رکھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہی کہ خواجہ کا محض تخلص ہی حافظ تھا۔ اور وہ درصل حافظ قرآن نہ تھے مگر ہم کو اس خیال پر تعجب آتا ہی۔ ہر زمانہ میں لاکھوں مسلمان بچے قران حفظ کرتے ہیں۔ خواجہ کے حفظ قران سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہی۔ علاوہ بریں اس زمانہ میں شیراز ایک ایسا مقام تھا جہاں تمام اسلامی دنیا سے زیادہ قرآن خوانی کا چرچا تھا۔ ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور سیاح جو حافظ ہی کے زمانہ میں پہلی بار ۷۲۶ھ اور دوسری بار ۷۴۸ھ میں شیراز میں گیا ہی۔ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہی کہ "جس ذوق و شوق ... [illegible] الحانی کے ساتھ شیراز کے لوگ قران پڑھتے ہیں ایسا تمام دنیا میں کہیں ...
... شوق کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہاں کے بچوں کو زیادہ ...
... خاندان کے ...

حالانکہ شاعر کا مطلب یہ ہی کہ میرا قلم مثل ایک نے شکر کے ہی جس سے شہد و شکر یعنی عشق حقیقی کے رموز اور معرفت کے اسرار بھرے ہوئے شیریں اشعار اس طرح ٹپکتے ہیں جس طرح شاخ سے میٹھے پھل ٹپکتے ہوں اور یہ عشق الٰہی میں صبر کرنے کا اجر ہی جو خدا نے مجھکو عطا فرمایا ہی۔

خواجہ گو بہت بڑے عالم۔ فقیہ صالح اور زاہد تھے اور ان کا تمام وقت علمی مشغلوں اور عبادت و ریاضت میں صرف ہوتا تھا مگر باوجود اس کے اُن کی طبیعت میں فطرت نے بے نظیر شاعرانہ طاقت ودیعت رکھی تھی اس لیے وہ نچلا نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس زمانہ میں شاعرانہ مذاق فارس کی آب و ہوا میں رچا ہوا تھا۔ خاصکر شیراز میں جہاں کہ تھوڑی مدت پہلے شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اپنی بے مثل غزلوں سے جو عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں کا پہلو لیے ہوئے تھیں شاعری کا ایک نیا باب کھولکر طبیعتوں کو اور اُکسا دیا تھا۔ اور عام ولولہ اور جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا بہت سے لوگ جو اپنی ثقاہت اور متانت کی وجہ سے اب تک شاعری سے پرہیز کرتے تھے ان کے سر بھی شیخ کی غزلوں کے سامنے جُھک گئے۔ بڑے بڑے [illegible] ماد اور اہل دل بھی اس میں عشق حقیقی کا چٹخارا دیکھکر اس پر ٹوٹ پڑے [illegible] محفلوں میں بھی بار پا گئی جہاں اب تک اس کی رسائی [illegible] تفنن [illegible] کر تے [illegible] طبع آزمائی کر [illegible]

کی جوان سے پہلے شیخ پلا گیا تھا۔ مگر یہ اس قدر تند اور تیز تھی کہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ اس سے ایسے بیخود ہوئے، کہ ان کو پھر کسی کی خبر نہ ہوئی۔ مقدس محفلوں خانقاہوں امراء اور وزراء کی مجلسوں بازاروں اور شاہراہوں میں غرض ہر جگہ اسی مے دو آتشہ کا دور چلنے لگا اور چاروں طرف حافظ شیرازی کی غزل کا نغمہ گونج اٹھا ؎

فگندہ زمزمۂ شوق در عراق و حجاز نوائے بانگ غزلہائے حافظ شیراز

خواجہ کی شاعری تصنع اور بناوٹ سے پاک ہے وہ اُن شعراء کی طرح نہیں تھے جن کا پیشہ شاعری ہو۔ نہ وہ مصنوعی جذبہ پیدا کرتے تھے بلکہ ان کی شاعری تفنن طبع کے طور پر تھی۔ اور وہ درویشانہ اور عالمانہ زندگی رکھتے تھے۔ جب کوئی موقع ایسا آجاتا تھا کہ ان کی شاعری کے جذبہ کو تحریک ہو تو وہ بے ساختہ غزل کہدیتے تھے۔ ان کی ایک ایک غزل ایک ایک تاریخی واقعہ اپنے ساتھ رکھتی ہے کسی میں وہ کسی دوست کی وفات پر روتے ہیں۔ کسی میں کسی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ شاہی دربار کا ذکر ہے تو غزل میں [illegible] ماہ کے حلقہ کا ذکر ہے تو غزل ہی میں شرح کرتے ہیں اور غزل ہی میں [illegible] لکھتے ہیں۔

[illegible] کہ جو طبیعت کے اصلی اپج سے ہوتی ہے قصیدہ وغیرہ جنہیں [illegible] نے کبھی نہیں کہا دولت شاہ سمرقندی لکھتا ہے [illegible] بغزلیات" یعنی حافظ سوائے غزل کے

ایک دفعہ حاجی قوام الدین کے یہاں دعوت تھی گرمی کا موسم تھا پائیں باغ میں تخت بچھا ہوا تھا اُس پر کھانا کھا رہے تھے۔ پانی کے کٹورہ میں نیلے آسمان اور تیسری یا چوتھی رات کے چاند کا عکس نظر پڑا اُس وقت یہ منظر بہت دلفریب معلوم ہوا اور فوراً یہ شعر موزوں کیا ۔؎

دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

اس مناسب موقع شعر کو سُنکر لوگ پھڑک اُٹھے اسی پر غزل پوری کی۔ شاعرانہ تخیل کی رفتار دیکھیے کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں!! ؎

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم اے بیخبر ز لذتِ شربِ مدام ما

بڑی بڑی لاجواب غزلیں بے تکلف تھوڑی دیر میں کہدیتے تھے سلطان غیاث الدین والی بنگالہ نے جس کا قصہ آگے آئیگا۔ جب ان کی طلبی کے لیے اپنے خاص غلام یاقوت کو شیراز بھیجا تو رات کو جس وقت سلطان کا خط ملا اسی وقت اُنھوں نے سلطان کے لیے ایک بے مثل غزل لکھکر دیدی۔ چنانچہ اسی میں کا یہ شعر ہی ؎

طے مکاں ببین و زمانِ سلوکِ شعر کیں طفل یکشبہ رہ یکسالہ میرود

شعر کی رفتار کا زمانہ اور اتنی بڑی مسافت کا طے کرنا دیکھو کہ یہ ایک رات کا بچہ ایک سال کی راہ [illegible]

امرا اور سلاطین کا دربار

[illegible] گر [illegible] فارس اور خاصکر شہ [illegible]

سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ سلطان مظفر کے بیٹے ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خانہ جنگی ہی میں مصروف رہے اور اسی میں اُنھوں نے سلطنت ہی کھو دی۔ سب سے آخر میں تیموری حملہ شیراز پر ہوا جو ایک قیامت کا نمونہ تھا۔

ان بیدردیوں اور ہولناک خونریزیوں کو اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا انقلابات زمانہ کے بڑے بڑے منظر اُن کی نگاہ سے گذرے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ آج دنیا جس سر پر تاج رکھتی ہے کل اسی کو خاک و خون میں پامال کر ڈالتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے چند روزہ جاہ و جلال سے سخت نفرت ہو گئی۔ اور اُنھوں نے کنج خلوت میں اطمینان کے ساتھ ایک گھڑی گذار دینے کو تمام دنیا کی بادشاہی پر جس میں ہزاروں جھگڑے ہوتے ہیں ترجیح دی۔ اور پکار اُٹھے ؂

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ... به از آنکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے و ہوئے

اطمینان کے ساتھ کسی حسین کو ایک وقت ایک نظر دیکھنا اس سے بہتر ہے کہ تمام عمر سر پر چتر شاہی ہو اور سیکڑوں جھگڑے ہوں

خواجہ نے ہر چندان ناگوار حادثات کا اثر جن سے یقیناً وہ متاثر ہوئے ہوں گے [illegible] نے کلام میں نہیں آنے دیا۔ اور اپنی اصلی شاعرانہ خوشی سے آب حیات میں اس زہر کے چھینٹے [illegible] نے۔ لیکن آخر انسان تھے۔ کہاں تک ضبط کرتے ایک غزل میں وہی پڑھ گئے

همه آفاق پر از فتنه و شر می‌بینم ... [illegible] می‌بینم
مشکل آنست که هر روز بتر می‌بینم

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر مے بینم

پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
کہ من ایں پند بہ از در و گہر مے بینم

خواجہ ایک نہایت ملنسار اور خوش خلق انسان تھے۔ امیر و غریب ادنیٰ و اعلیٰ سب سے ملتے تھے۔ اور ہر طبقہ میں وہ ہر دلعزیز تھے۔ فقیروں کے حلقہ کے چراغ تھے اور بادشاہوں کے بزم کی شمع۔ وہ ان تمام شاہان شیراز کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مگر درباروں میں اُن کا اعزاز ایک مقدس بزرگ اور ممتاز عالم کی حیثیت سے تھا نہ کہ شاعر کی حیثیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے کسی امیر یا وزیر کی شان میں کبھی کوئی قصیدہ نہیں لکھا جو شعراء کا خاصہ خیال کیا جاتا ہے اور جس سے شیخ سعدی جیسے بزرگ تارک الدنیا بھی نہیں بچ سکے اُنھوں نے بہت کیا تو یہ کیا کہ کسی غزل میں ایک دو شعر کسی کی تعریف میں بڑھا دیئے اور اس کا نام لے دیا اور بس۔ X

ان کے ابتدائی زمانہ میں سلطان ابو سعید خاں بغداد کا بادشاہ تھا تمام عراق و فارس اسکے قبضہ میں تھا۔ اس کے زمانہ میں اس کی طرف سے شیخ حسین پسر امیر الامرا چوپان شیراز کا والی تھا۔ اہل شیراز عام طور پر اس سے ناراض تھے ۷۳۶ھ میں سلطان ابو سعید خاں نے وفات پائی اور بوجہ اس کے کہ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا اطراف ... اس نے قبضہ کر لیا۔ وہ ایک سلطنت کی گیارہ سلطنتیں ... خوف سے شیراز سے بھاگ گیا۔ شیخ ابو اسحاق ...

ملک میں خوشحالی اور رفاہیت تھی۔ خواجہ اس کے دربار میں آمدورفت رکھتے تھے۔ اور وہ ان کا بہت قدردان تھا۔

شاہ ابو اسحاق میں اگرچہ تمام خوبیاں تھیں۔ مگر وہ آرام پسند تھا۔ ۷۵۴ھ میں امیر مبارز الدین[۵] مظفر نے اس کو غافل پاکر شیراز پر حملہ کردیا۔

دولت شاہ سمرقندی لکھتا ہی کہ امیر مظفر جب فوج لیکر شیراز کے ارادہ سے چلا تو ابواسحاق کے وزیروں نے اس سے کہنا شروع کیا کہ اب ہم کو بھی لڑائی کی تیاری کرنا چاہیئے وہ اس بات سے کبیدہ خاطر ہوتا تھا اور اُس نے منع کردیا تھا کہ اب جو میرے سامنے اس قسم کی بات کہے گا میں اس کو سزا دونگا۔ یہانتک کہ امیر مظفر کی فوجیں شیراز کے گرد آگئیں۔ لیکن کس کی مجال تھی کہ بادشاہ کو خبر کرے۔ آخر امین الدین جہرمی نے جو بادشاہ کا خاص ہمنشین تھا کہا کہ آجکل بہار کا موسم ہی۔ چاروں طرف میدان اور پہاڑ سُرخ و سبز ہو رہے ہیں۔ حضور بالاخانہ پر تشریف لے چلیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ جب شاہ بالاخانہ پر آیا تو شہر کے چاروں طرف لشکر کو دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ہی۔ ایک وزیر نے کہا کہ مظفر شیراز کو فتح کرنیکے لیے آیا ہی۔ بادشاہ نے کہا کہ عجب احمق ہی جو بہار کے موسم کو اس طرح رائیگاں کھو رہا ہی۔ اور یہ شعر پڑھکر نیچے اُتر آیا ~

... شا کنیم — چو فردا رسد کار فردا کنیم

... گزاریں کل کا کام کل دیکھا جائے گا؛

---

[۵] ... اشندہ تھا۔ سلطان محمد خدابندہ کے زمانہ میں اس کو کچھ عروج ... مدی اور شجاعت سے اسنے کارہائے نمایاں انجام دیئے جنگ صلح میں اسکو ...

دولت شاہ کہیں کہیں اس قسم کے قصے بھی لکھدیتا ہی جو سادہ لوحوں کو دلچسپ معلوم ہوں۔ حقیقت یہ ہی کہ شاہ ابواسحاق اور مظفر میں ابتدا ہی سے لڑائیاں ہوتی چلی آتی تھیں اور ہمیشہ ابواسحاق کو فتح ہوتی تھی کیونکہ اس کے پاس فوج بہت زیادہ تھی لیکن اس حملہ میں بازی پلٹ گئی شاہ ابواسحاق گو بڑی جرأت سے لڑا لیکن امیر مظفر نے اس کو شکست دیدی اور وہ میدان چھوڑ کر اصفہان بھاگا۔ وہاں ۴۔۵ سال تک رہا اور پھر امیر مظفر کے حکم سے قتل کر دیا گیا

خواجہ اپنے اس قدردان کے مرنے پر اس غزل میں روتے ہیں ؎

یاد باد آنکہ سر کوے توام منزل بود ۔۔۔ دیدہ را روشنی از نور رخت حاصل بود

راست چوں سوسن وگل از اثر صحبت پاک ۔۔۔ بر زباں بود مرا آنچہ ترا در دل بود

در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز ۔۔۔ چہ تواں کرد کہ سعی من و دل باطل بود

راستی خاتم فیروزۂ بواسحاقی ۔۔۔ خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

دیدی آں قہقہۂ کبک خراماں حافظ

کہ ز سر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

حاجی قوام حاجی قوام الدین حسن طمغچی خواجہ کے سب سے پہلے مربی اور خاص سرپرست تھے اُنھوں نے ان کے لیے مدرسہ قائم کیا تھا۔ خواجہ نے بہت سی غزلوں میں موصوف کا نام لیا ہی حتیٰ کہ جس غزل میں اُنھوں نے اپنی خیالی زن[illegible] بھی حاجی قوام کو نہیں بھولے ہیں۔ کہتے ہیں۔

عشق بازی و جوانی و شراب لعل فام

[illegible] و ہمدم شکر دہان و مطرب شیر[illegible]

شاہدے در لطف پاکے ہمچوں آب زندگی ‏ دلبرے در حسن و خوبی غیرت ماہ تمام
غمزۂ ساقی بیغمائے خرد آہختہ تیغ ‏ زلف جاناں از برائے صید دل گسترده دام
بادۂ گلرنگ و تلخ و تیز و خوشخوار و سبک ‏ نقلے از لعل نگار و نقلے از یاقوت جام
بزم گاہے دلنشیں چوں قصر فردوس بریں ‏ گلشنے پیرامنش چوں روضۂ دار السلام
صف نشیناں نیک خواہ و پیشکاران باادب ‏ دوستداراں صاحب سر و حریفاں دوستکام
نکتہ سنجے بذلہ گو چوں حافظ شیریں سخن ‏ بخشش آموز و جہاں افروز چوں حاجی قوام

ہر کہ ایں صحبت نجوید خوشدلی از وے مجوے
وآنکہ ایں عشرت نخواہد زندگی بر وے حرام

بعض لوگوں نے جن میں کپتان کلارک بھی ہیں غلط فہمی سے حاجی قوام اور خواجہ قوام الدین عیار کو کہ وہ بھی حافظ کے مربیوں میں سے تھے ایک ہی شخص خیال کر لیا ہی۔ حالانکہ دونوں دو شخص تھے۔ حاجی قوام شاہ ابو اسحاق کے وزیر خزانہ تھے اُنھوں نے ۷۵۴ھ میں وفات پائی۔ اور خواجہ قوام شاہ شجاع کے وزیر تھے جنکا ذکر آگے آئے گا۔

امیر مظفر

امیر مبارز الدین محمد مظفر ایک سپاہی منش اور سخت طبیعت کا آدمی تھا جب [illegible] قبضہ ہوا تو اس نے بہت سختیاں کیں یہانتک کہ تمام لوگ اس کے دشمن ہو گئے [illegible] دیکھا کہ عنقریب ملک میں بغاوت ہونی چاہتی ہی تو امراء [illegible] مظفر کو گرفتار کر لیا۔ آنکھوں میں سلائی پھیر کر قید کر دیا [illegible] نے یہ قطعہ اسی واقعہ کے متعلق کہا [illegible]

[illegible] شمشیر او خوں [illegible]

عاقبت شیراز و تبریز و عراق چوں مسخر کرد وقتش در رسید

آنکه روشن بُد جہاں بینش بدو میل در چشم جہاں بینش کشید

شاہ شجاع ابوالفوارس شاہ شجاع کے تخت نشین ہونے سے تمام لوگ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ خود عالم۔ علم دوست۔ اور بڑا دیندار تھا۔ علما و صلحا کی اس کے دربار میں بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ خواجہ نے بیسیوں غزلوں میں اس کا نام لیا ہے ایک غزل میں لکھتے ہیں ؎

جبین و چہرۂ حافظ خدا جدا مکناد ز خاک بارگہ کبریاے شاہ شجاع

حافظ کی پیشانی اور چہرہ کو شاہ شجاع کی بارگاہ سے خدا جدا نکرے

شاہ شجاع خواجہ فقیہہ عماد کرمانی کے ساتھ بہت عقیدت رکھتا تھا اور اسقدر اُن کو مانتا

ساقی بیا کہ شاہد رعنائے صوفیاں دیگر بجلوہ آمد و آغاز ناز کرد
اے دل بیا کہ تا بہ پناہ خدا رویم زانچہ آستین کوتہ و دست دراز کرد
اے کبک خوشخرام کجا میروی بایست غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد
حافظ مکن ملامت رندان کہ در ازل
مارا خدا ز زہد ریا بے نیاز کرد

عبید زاکانی کی ایک مثنوی موش گربہ ہے۔ جس میں اس نے ایک بلی کا قصہ لکھا ہے جو سینکڑوں چوہے کھاکر تائب ہوگئی اور عبادت میں مصروف ہوئی۔ چوہا اس کی خوشخبری اپنے بادشاہ کو دیتا ہے۔ ؎

مژدہ گانا کہ گربہ عابد شد مومن و زاہد و مسلمانا

گرمسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد — آہ اگرازپس امروز بود فردائے

اگراسی کا نام اسلام ہی جو حافظ رکھتا ہی تو نہایت افسوس ہی اگر آج کے بعد کل (قیامت) ہو

فقیہہ عماد نے شاہ شجاع سے کہا کہ اس شعر سے انکار قیامت لازم آتا ہی۔ شاہ شجاع چونکہ فقیہہ کا بڑا مرید تھا۔ اس نے حکم دیا کہ خواجہ حافظ بلائے جائیں۔ اور ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے ایسا شعر کیوں کہا جس سے قیامت کا انکار لازم آتا ہی۔ خواجہ کو بھی یہ خبر لگ گئی۔ اُنھوں نے اس شاعرانہ مضمون کو سمجھانے کے بجائے یہ تدبیر کی کہ اس سے پہلے ایک شعر اور بڑھا کر اُس کو ایک عیسائی کا مقولہ کر دیا ؎

این حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ میگفت — برلب میکدۂ بادف و نے ترسائے

یہ بات مجھے بہت پسند آئی جو کہ صبح کو ایک شرابخانہ کے دروازے پر بانسری و دوف بجا کر ایک عیسائی کہ رہا تھا

اب یہ ایک عیسائی کا قول ہو گیا۔ اور کفر کی نقل کفر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے شاہ شجاع خاموش ہو گیا۔ اور خواجہ نے خوش اسلوبی کے ساتھ فقیہہ کا داؤں کاٹ دیا۔

خواجہ قوام | شاہ شجاع کا وزیر خواجہ قوام الدین عیّار بھی خواجہ کے قدر دانوں میں سے تھا۔ ان کا وظیفہ بھی مقرر کر رکھا تھا چنانچہ ایک دفعہ وظیفہ پہنچنے میں کسی وجہ سے دیر ہوئی تو خواجہ نے ایک غزل لکھکر وزیر موصوف کے پاس بھیجی۔ جس میں اس کی طرف توجہ دلائی۔ اِس کا مطلع یہ ہی۔

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید — اگر وظیفہ رسد مصرفش گل ست و نبید

بہار کے آنے اور سبزہ کے اُگنے کی خوشخبری آگئی ایسی حالت میں اگر وظیفہ آئے تو گلاب و شراب میں صرف کیا جائے

٧٦٤ھ میں شاہ شجاع نے کسی سیاسی غلطی کی وجہ سے اُن کو قتل کروڈالا۔

توران شاہ | خواجہ قوام مقتول کے بعد خواجہ کمال الدین ابو الوفا اور اُن کے بعد جلال الدین

توران شاہ شاہ شجاع کا وزیر ہوا یہ خواجہ کے کمالات کا فدائی تھا۔ اور اُن کیساتھ بڑا فیاضانہ سلوک کرتا تھا۔ خواجہ نے بہت سی غزلوں میں نہایت شکریہ کیساتھ وزیر موصوف کا نام لیا ہی۔ اپنی اِس لاجواب غزل میں اس کی اخلاقی جرأت کی تعریف کی ہی۔

کجا برخیزد از دستم کہ با دلدار بنشینم | زجامِ وصل مے نوشم زباغ خلد گل چینم
صباح الخیر زد بلبل کجائی ساقیا برخیز | کہ غوغا میکند در سر نوائے چنگ دوشینم
شبِ رحلت ہم از بستر روم تا قصر حور العین | اگر در وقتِ جان دادن تو باشی شمع بالینم
مگر دیوانہ خواہم شد درین سودا کہ شب تا روز | سخن با ماہ میگویم پری در خواب مے بینم
لبت شکر بمستان داد و چشمت مے بمیخواران | منم کز غایتِ حرمان نہ با آنم نہ با اینم
وفاداری و حق گوئی نہ کار ہر کسے باشد | غلام آصفِ دوراں جلال الحق والدینم

زین العابدین ۷۸۶ھ میں شاہ شجاع کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا زین العابدین تخت نشیں ہوا جو اگرچہ حسن میں اپنے زمانہ کا یوسف تھا لیکن کم عقل تھا۔ اس مغرور شاہزادے نے باپ کے مصاحبوں اور ملازموں کے ساتھ بدسلوکیاں شروع کیں۔ اور شیراز میں پھر دور مظفری تازہ ہو گیا۔

خواجہ کی غزلیں اور خاصکر یہی غزلیں جو وہ لکھتے تھے بادشاہوں اور شاہزادوں کی مجلسوں میں گائی جاتی تھیں۔ اُنھوں نے اس زمانہ میں جسقدر غزلیں لکھی ہیں ان میں اس کو خصوصیت کے ساتھ رحم اور رواداری کی طرف توجہ دلائی ہی منجملہ ان کے ایک غزل یہ ہے۔

بہ ملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعا را | کہ بشکر بادشاہی ز نظر مراں گدا را
چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی | رُخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا

زرقیب دیوسیرت بخدا ہمی پناہم | مگر آں شہاب ثاقب مددے کند سہارا
دل عالمے بسوزی چو عذار برفروزی | تو ازیں چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا
مژہ سیاہت ار کرد بخون ما اشارت | زفریب او بیندیش و غلط مکن نگارا
ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبحگاہی | بہ پیام آشنائے بنوازد آشنارا

بخدا کہ جرعۂ دہ تو بحافظ سحر خیز
کہ دعائے صبحگاہی اثرے کند شمارا

مثل مشہور ہے کہ ظلم کی عمر تھوڑی ہوتی ہے۔ ابھی ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ۷۸۹ھ میں شہنشاہ تیمور ایک گرجتے برستے بادل کی طرح آن پہنچا۔ زین العابدین نے مقابلہ کے لیے لشکر فراہم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آخر خوف کے مارے صاحبقراں کے آنے سے پہلے ہی شیراز سے بھاگا۔ اور اپنے چچا منصور کے پاس تستر میں پہونچا۔

تیمور نے شیراز کو خالی پاکر اس پر قبضہ کر کے شاہ شجاع کے بھائی نصرت الدین یحییٰ کو جو یزد پر حکمران تھا اور جس نے اسکی اطاعت تسلیم کر لی تھی شیراز کو بھی سپرد کر دیا۔

تیمور نے شیراز میں خواجہ کو بھی یاد کیا جن کی شہرت وہ عرصہ سے سن رہا تھا۔ خواجہ تشریف لے گئے۔ وہ بہت اعزاز سے پیش آیا اور پوچھا کہ یہ شعر آپ کا ہے؟

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا | بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کہ میں نے جو بڑی بڑی فوجوں سے لڑ کر دنیا فتح کی اور بھاری بھاری سلطنتوں پر قبضہ کیا تو اس لیے کہ سمرقند اور بخارا کو جو میرے وطن ہیں آباد کروں اور آپ نے ان کی یہ قدر کی کہ معشوق کے خال ہندو پر تصدق کر ڈالا۔ خواجہ نے جواب دیا کہ جہاں پناہ! یہ اسی غلط بخشی کا نتیجہ ہے کہ آج میں اس حال

میں ہوں۔ تیمور اس لطیفہ سے بہت خوش ہوا۔ اور خواجہ کو خلعت اور انعام سے سرفراز کیا

انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا کا مصنف اس واقعہ سے انکار کرتا ہی۔ اور یہ کہتا ہی کہ تیمور شیراز میں خواجہ کے انتقال کے کئی سال بعد گیا تھا۔ لیکن اسے یہ خبر نہیں کہ تیمور دو مرتبہ شیراز میں آیا ہی۔ پہلی مرتبہ ۷۸۹ھ میں جب کہ خواجہ زندہ تھے۔ دوبارہ ۷۹۵ھ میں جب کہ وہ وفات پا چکے تھے۔

شاہ یحییٰ شیراز کے تمام لوگ تیمور کے آنے سے ڈر گئے تھے۔ مگر جب اس نے وہاں کی حکومت شاہ یحییٰ کے سپرد کردی تو ان کو بڑی خوشی ہوئی کیوں کہ یحییٰ بہت لایق اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ خواجہ ایک غزل میں کہتے ہیں۔

گر نہ بودے شاہ یحییٰ نصرت الدین از کرم   کار ملک و دیں ز نظم و انتساق افتادہ بود

اگر شاہ یحییٰ نصرت الدین کی ذات بابرکات نہوتی تو ملک اور دین کا نظم و نسق خراب ہو چکا تھا۔

شاہ منصور زین العابدین جب تستر بھاگ کر گیا تو اس کے چچا منصور نے اسکی بزدلی پر اُس کو قید کر دیا اور خود ایک بہت بڑی جمعیت فراہم کرکے شیراز کی طرف آیا۔ شاہ یحییٰ کو مقابلہ میں ناکامیابی ہوئی اور آخر وہ میدان میں مارا گیا۔ منصور بڑے کروفر سے شیراز میں داخل ہوا۔

اہلِ شیراز نے منصور کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا۔ کیوں کہ تمام آلِ مظفر میں اس سے زیادہ لایق، بہادر اور عادل کوئی شہزادہ نہ تھا۔ خواجہ نے بھی ایک غزل اس کے خیر مقدم میں لکھی جس کا مطلع یہ ہی۔

بیا کہ رایتِ منصور بادشاہ رسید   نوید فتح و بشارت بمہر و ماہ رسید

آجاؤ کہ شاہ منصور کا جھنڈا آگیا اور فتح کی نوید اور خوشخبری چاند اور سورج تک پہونچ گئی۔

شاہ منصور خواجہ کا بہت احترام کرتا تھا اور اُن کے کمالات کا بڑا قدرداں تھا۔
خواجہ نے جابجا غزلوں میں اس کی تعریف کی ہی۔
واپسی میں تیمور نے منصور کا بھی خاتمہ کر دیا اور اس کے خاتمہ کے ساتھ ہی خاندان
مظفری کا چراغ گُل ہو گیا۔ مگر خواجہ اس سے کئی سال پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔
اِن کے علاوہ بڑے بڑے امراؤ روسار مثلاً فخر الدین۔ عبد الصمد، امین الدین حسن
وغیرہ خواجہ کے خاص عقیدت مندوں میں سے۔ تھے وہ اپنے تقدس زہد علم اور خداداد
شاعرانہ کمال کیوجہ سے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں عام مقبولیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے
تھے۔ اور اپنی زندگی میں انتہائی ہر دلعزیزی جو کسی باکمال کو حاصل ہو سکتی ہی اُن کو حاصل تھی۔

خواجہ کی شہرت

گذشتہ زمانے میں اکثر اہل کمال کی شہرت اُن کے مرنے کے بعد ہوتی تھی۔
لیکن خواجہ اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنکی شہرت زندگی ہی میں چار دانگ عالم
میں پھیل گئی۔ نہ صرف ایران بلکہ بغداد، عراق، جنوبی ہند اور بنگالہ تک ان کی
زندگی ہی میں ان کا نام مشہور ہو چکا تھا۔ قافلوں کے ساتھ ساتھ اُن کی غزلیں ملکوں
ملکوں جاتی تھیں۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور نوابوں نے ان کو بلانا شروع کی
اُن کے پاس تحفے تحائف اور اشتیاق نامے بھیجتے تھے لیکن خواجہ اپنی
گوشہ نشینی کی وجہ سے کہیں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔
سلطان[1] احمد جلائر ایلکانی کو بڑی خواہش تھی کہ خواجہ ...

[1] ایلکانی سلطنت کا بانی امیر حسن نوئینان ہے اس کے باپ کا نام ا...

بہت سے تحائف اور خطوط بھیجے لیکن خواجہ نہیں گئے۔ ایک غزل بطور شکریہ کے لکھکر بھیدی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

گرچہ دوریم بیادِ تو قدح مے نوشیم! بُعدِ منزل نبود در سفرِ روحانی

اگرچہ ہم دور ہیں لیکن آپ کی یاد میں شراب پیتے ہیں روحانی سفر میں فاصلہ کوئی چیز نہیں ہے۔

شاہ شجاع کا بھائی قطب الدین محمود جو اصفہان کا حاکم تھا۔ اس میں اور شاہ شجاع میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ اور چونکہ سلطان احمد والی بغداد کی بہن قطب الدین محمود کے نکاح میں تھی اس وجہ سے وہاں سے بھی اس کو امداد ملی اس نے شیراز کا محاصرہ کرلیا۔ مجبوراً شاہ شجاع نے اس سے صلح کرلی کچھ دنوں کے بعد محمود مرگیا شاہ شجاع نے یہ رباعی لکھی۔

محمود برادرم شہ شیر کمیں میکرد خصومت ازپے تاج و نگیں

کردیم دو بخش تا بیا ساید خلق او زیر زمیں گرفت و من روئے زمیں

اس کے مرنے کے بعد شاہ شجاع کو سلطان احمد سے انتقام لینے کا موقع ملا اور دونوں میں خوب باہم لڑائیاں رہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ خواجہ کے بغداد نہ جانے کا سبب ان بادشاہوں کی باہمی عداوت ہوئی ہو ورنہ ان کو وہاں جانے کی بڑی آرزو تھی فرماتے ہیں ؎

نرسیدیم بمقصود خود اندر شیراز خرم آں روز کہ حافظ رہ بغداد کند

مقصود تک ہم نہیں پہنچ سکے وہ دن بڑا اچھا ہوگا جس دن حافظ بغداد کو روانہ ہوگا۔

امیر الامرائی کا منصب رکھتا تھا۔ بعد ازاں اسکا پوتا امیر حسن سلطان ابو سعید خاں کے زمانہ میں خراسان
[illegible]ـلطان ابو سعید خاں کے مرنے کے بعد جب انقلاب واقع ہوا تو بغداد اور تبریز وغیرہ پر
[illegible]ر کرلی امیر حسن کے بعد اسکا بیٹا شیخ اویس تخت نشین ہوا۔ اویس کا بیٹا احمد ہے

سلطان قطب الدین کے وزیر عماد الدین محمود نے بھی اصفہان سے خواجہ کو طلب کیا لیکن غالباً انہیں ملکی جھگڑوں کی وجہ سے خواجہ نے وہاں جانا بھی مناسب نہیں سمجھا ایک دفعہ ایک غزل جو "بہاریہ" کے نام سے مشہور ہے لکھکر وزیر موصوف کے پاس بھیجدی تھی اس نے بڑی قدردانی کی اور صلہ بھیجا اس غزل کے چند شعر یہ ہیں۔

کنونکہ در چمن آمد گل از عدم بوجود	بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود
بنوش جام صبوحی بنالۂ دف و چنگ	ببوس غبغب ساقی بنغمۂ نے و عود
بلاغ تازہ کن آئین دین زردشتی	کنونکہ لالہ برافروخت آتش نمرود
چو گل سوار شود بر ہوا سلیماں وار	سحر کہ مرغ در آید بنغمۂ داؤد
بخواہ جام صبوحی بیاد آصف عہد	وزیر ملک سلیماں عماد دیں محمود

جنوبی ہند میں اس زمانہ میں سلطان محمود شاہ بہمنی حکمران تھا میر فضل اللہ انجو جو علامہ تفتازانی کے شاگرد رشید تھے سلطان کے وزیر تھے۔ خواجہ کا شہرہ مدت سے سنتے تھے۔ ایک دفعہ علم دوست بادشاہ کے اشارہ سے خواجہ کے نام ایک خط لکھا جسمیں اُن سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ دکن میں تشریف لائیں۔ خط کے ہمراہ اشرفیاں بھی بطور زادراہ کے بھیجیں تھیں۔ خواجہ نے ان اشرفیوں میں سے اپنا قرضہ ادا کیا۔ کچھ بھانجوں کو دیا۔ اور باقی ماندہ سے زادراہ تیار کر کے ہندوستان کو روانہ ہوئے راستہ میں فیاضی نے مفلس کر دیا۔ ایران کے دو سوداگروں خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد گاذرونی نے جو معتبر تاجر تھے اور ہندوستان کو آرہے تھے خواجہ کے اخراجات سفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور بندرگاہ "ہرمز" پر پہونچے۔

دکن کا ایک جہاز ہرمز سے واپس آرہا تھا اس پر سوار ہوئے۔ اتفاق یہ کہ ابھی لنگر اُٹھا بھی نہیں تھا کہ طوفانی ہوا چلی گھبرا گئے۔ آخر کشتی کنارہ پر لگائی گئی۔ اُتر گئے

اور ہندوستان آنے کا ارادہ فسخ کردیا انہیں سوداگروں کے ہاتھ میر فضل اللہ انجو کے پاس یہ غزل لکھکر بھیجدی۔

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد — بمے بفروش دلق ما کزیں خوشتر نمی ارزد

شکوہِ تاج سلطانی کہ بیمِ جاں درو درج است — کلاہ دلکش است اما بہ ترک سر نمی ارزد

بکوئے میفروشانش بجامے برنمیگیرند — زہے سجادۂ تقوائے کہ یک ساغر نمی ارزد

ترا آں بہ کہ روئے خود ز مشتاقاں بپوشانی — بشادی جہانداری غم لشکر نمی ارزد

ز قیمتم سرزنش ہا کرد کز ایں باب رخ برتاب — چہ افتاد ایں سر مارا کہ خاک در نمی ارزد

بس آساں مے نمود اول غم دریا ببوے سود — غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد

برو گنج قناعت جو بکنج عافیت حافظ
کہ یکدم تنگدل بودن ببحر و بر نمی ارزد

میر فضل اللہ نے یہ قصہ بادشاہ سے بیان کیا۔ اُس کو بڑا افسوس ہوا اور کہا کہ خواجہ ہمارے ارادہ سے چلے لیکن ہماری بدقسمتی نے اُن کو ہم تک نہ پہنچنے دیا۔ اس لیے مناسب یہ ہو کہ ہم اپنے انعام سے اُن کو محروم نہ کریں چنانچہ ملا محمدؐ قاسم مشہدی کے ہات ایکہزار تنکہ طلا اور ہندوستان کے بہت سے بیش قیمت تحفے خواجہ کے پاس بھجوائے۔

سلطان غیاث الدین والی بنگالہ متوفی ۷۷۵ھ جو علم کا بڑا قدردان اور نہایت فیاض تھا اس نے اپنے خاص خادم یاقوت کے ہات کچھ زر نقد اور تحفے خواجہ کے پاس بھیجے اور خواہش کی کہ وہ بنگال میں تشریف لائیں خواجہ سفر سے پہلے وعدہ توبہ کرچکے تھے معذرت کی اور یہ غزل لکھکر یاقوت کو دیدی۔

ساقی حدیثِ سرو و گل و لالہ میرود | وین بحث با ثلاثۂ غسالہ میرود
مے دہ کہ نو عروسِ چمن حدِ حسن یافت | کار این زماں بہ صنعتِ دلالہ میرود
آں چشم جادوانہ عابد فریب بیں | کش کاروانِ سحر بدنبالہ میرود
خوے کردہ میخرامد و بر عارضش سمن | وز شرم رُوے او عرق از لالہ میرود
باد بہار میوزد از بوستان شاہ | وز ژالہ بادہ در قدحِ لالہ میرود
طے مکاں بہ بین و زمان سلوکِ شعر | کیں طفل یکشبہ رہِ یک سالہ میرود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند | زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

حافظ ز شوقِ مجلسِ سلطان غیاث دیں
خامش مشو کہ کار تو از نالہ میرود

فرشتہ۔ اس کے متعلق ایک دلچسپ قصہ لکھتا ہی۔ کہ سلطان غیاث الدین ایک مرتبہ سخت بیمار رہوا۔ اس کے یہاں تین لونڈیاں تھیں جن کے نام سرو گل اور لالہ تھے انھوں نے سلطان کی بیماری کے زمانہ میں بہت خدمت کی اور جب صحت ہوگئی تو روزانہ نہلاتی تھیں سلطان ان سے بہت خوش تھا اور زیادہ محبت کرتا تھا یہانتک کہ بیگمات کو ان پر رشک آنے لگا انھوں نے طنز سے ان کو غسالہ کہنا شروع کیا۔ غیاث الدین نے جب سُنا تو ہنسا اور بے ساختہ اسکی زبان سے یہ مصرع نکل گیا۔

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرود

دوسرا مصرع نہیں لگتا تھا۔ دربار کے شاعروں کو بلوایا وہ بھی کوئی اچھا مصرع نہیں لگا سکے حافظ کی شہرت تو سُنی ہی تھی ان کے پاس شیراز میں یہ مصرع بھیجدیا چنانچہ اسی مصرع پر غزل انھوں نے پوری کی۔

خواجہ نے اس مصرع پر جو مصرع لگایا ہی یعنی "دیں بحث باثلاثۂ غسالہ میرود" اس میں لطف یہ ہی کہ ثلاثۂ غسالہ کے معنی تو ہیں تین نہلانے والیاں لیکن بادہ خواروں کی اصطلاح میں شراب کے ان تین پیالوں کو کہتے ہیں جو صبح کو پیئے جاتے ہیں اور جن سے شب کا خمار اور تمام رنج وغم دُھل جاتا ہی۔

خواجہ کا تقدس

خواجہ حافظ عالم فقیہہ اور مفسر تھے اور گو مولانا جامی کو ان کے مرشد کا پتہ نہیں لگ سکا لیکن منتخب التواریخ میں ہی کہ وہ خواجہ بہارالدین نقشبند رح کے مرید تھے۔

جب خواجہ بہارالدین نقشبند رح بخارا سے حج کو جارہے تھے تو شیراز میں بھی کچھ دنوں کے لیے قیام فرمایا۔ کہا جاتا ہی کہ حافظ نے حضرت موصوف ہی کی آمد میں غزل لکھی تھی۔

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید　　　کہ ز انفاسِ خوشش بوئے کسی مے آید

ان کی صحبت کے فیض سے شرح صدر حاصل ہوگیا اور دل پر عرفان کا دروازہ کھل گیا ایک غزل میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہی جس کا ایک شعر یہ ہی۔

بار غمے کہ خاطر ما خستہ کردہ بود　　　عیسیٰ دمے خدا بفرستاد و برگرفت

حج کرنے کے بعد واپسی میں بھی وہ یہاں تشریف لائے خواجہ نے کئی غزلوں میں ان کی جدائی اور رنج انتظار کی کیفیت کو ظاہر کیا ہی۔ خیر مقدم کے طور پر ایک غزل ان کی خدمت میں لکھکر بھیجی تھی جس کا مطلع یہ ہی۔

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست　　　کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

بعض لوگ لکھتے ہیں کہ خواجہ مجذوب سالک یعنی دیوانے صوفی تھے ایک شخص لکھتا ہی کہ وہ ملامتیہ فرقہ سے تھے یعنی اپنی ظاہری حالت گنہگاروں کی سی رکھتے تھے تاکہ جو شخص دیکھے ملامت کرے اور دل میں کسی قسم کا تکبر نہ آنے پائے مگر یہ ایسی غلط باتیں ہیں کہ انکی تردید کی ضرورت نہیں۔ خواجہ آخر عمر تک مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ بادشاہوں کے درباروں میں اُن کا آنا جانا ہوتا تھا کہیں کہیں اپنی غزلوں میں نصیحت بھی کرتے ہیں وہ عام طور پر لوگوں کی نگاہ میں معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے نہ کہ دیوانہ یا قابل ملامت تمام تذکرہ نویس ان کو ایک باوقار عالم اور صوفی لکھتے ہیں۔

بعض یورپین مصنفوں نے جن کو فارسی شاعری کی اصلیت کا بہت کم اندازہ ہی مثلاً بکنل اور انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا کا مصنف۔ ان لوگوں نے خواجہ کے اشعار کو دیکھکر اور ان کو واقعی سمجھکر خواجہ کو شراب خوار اور رند لکھا ہی۔

لیکن اگر ان لوگوں نے ذرا بھی اُن کے حالات لکھنے میں تحقیق کی ہوتی اور اولیاء اللہ کے تذکرے اُٹھا کر دیکھتے تو معلوم ہو جاتا کہ وہ بہت بڑے بزرگ و ولی اللہ تھے اور جب کہ ایک معمولی مسلمان بھی شراب خواری اور رندی سے پرہیز کرتا ہی تو ایک ولی اللہ ان میں کیونکر مبتلا ہو سکتا ہی۔ کیونکہ ولایت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے شرعی پابندیوں کے ساتھ بہت زیادہ ریاضت اور نفس کشی کرنی پڑتی ہی۔ شراب خواری اور رندی کے ساتھ تزکیہ نفس حاصل نہیں ہو سکتا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اصلیت یہ ہی کہ فارسی یا اردو کے شاعر کے کلام سے اس کی اصل حالت کا اندازہ کرنا بہت بڑی غلطی ہی کیونکہ فارسی یا اُردو شاعری میں خاص خاص عنوان مقرر ہیں انہیں پر

شاعری ہوتی ہے۔ خواہ رند ہو خواہ پارسا دونوں شاعری کے کوچہ میں یکساں ہیں بڑے بڑے مقدس لوگ جن کے لبوں کو شراب کبھی چھو بھی نہیں گئی وہ بھی شاعری کی شاہراہ میں بغل میں صراحی اور ہات میں ساغر لیے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور جام پر جام اُڑائیں گے اس لیے کہ مشکل یہ ہے کہ صوفیانہ کلام میں وہ کیفیات بیان کی جاتی ہیں جو انسان کے دل پر ریاضت اور مجاہدہ سے طاری ہوتی ہیں ان کے بیان کرنے کے لیے دنیا کی کسی زبان میں الفاظ موجود نہیں ہیں خواجہ خود اس دشواری کے متعلق کہتے ہیں ؎

چوں ہمیں گرہ کشایم۔ دیں راز دل نمایم ‏ ‏ ‏ ‏ در دے وسخت روئے۔ کاری سخت زری

میں کیونکر دل کی گرہ کھول کے اپنے راز تم کو دکھلاؤں یہ تو نہایت ہی مشکل اور دشوار امر ہے۔

مجبوراً ان کیفیات کو عشق مجازی مئے و مستی اور گل و بلبل کے افسانوں میں ادا کرنا پڑتا ہے اور حقیقی مستی کی شراب طہور بادۂ انگور سے تعبیر کی جاتی ہے۔ غالب نے صحیح کہا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ‏ ‏ ‏ ‏ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

شراب خواروں کے متعلق خواجہ کہتے ہیں ؎

مستی عشق نیست در سر تو ‏ ‏ ‏ ‏ رو کہ تو مست آب انگوری

عشق کی مستی تمھارے اندر نہیں ہے تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ تم تو شراب انگور سے مست ہو۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حافظ و سعدی وغیرہ حقیقت میں مُتّقی اور پرہیزگار تھے تو ایسے ایسے باریک اور اعلیٰ درجے کے رندانہ اور عاشقانہ مضامین کیونکر ان کے دماغ میں آتے تھے مگر جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ فارسی شاعری کی بنیاد انہیں مضامین پر ہے اور کوئی عاشق ہو یا نہو لیکن اسی قسم کے مضامین لکھنے پڑتے ہیں تو یہ بات واضح ہو گئی

کہ حافظ اور سعدی وغیرہ کو بھی بحیثیت شاعر کے ایسے ہی خیالات ادا کرنے ضروری تھے ورنہ باوجود صلاح و تقوے کے ایسے مضامین کا پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ایک مفلس اور محتاج شخص اپنے خیال میں اعلیٰ سے اعلیٰ جاہ و جلال کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ علاوہ بریں ان لوگوں کا زہد زہد خشک نہ تھا وہ اپنے دلوں میں عشق حقیقی کی آگ رکھتے تھے اس وجہ سے عاشقانہ کلام میں جو گرمی وہ پیدا کر سکے دوسرا نہ کر سکا۔

اصلیت یہ ہے کہ فارسی یا اُردو شاعری ایک بناوٹ کا نام ہے جس کے لیے واقعیت کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ آگرہ میں مجھے ایک مشاعرہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ایک صاحب لحیم و شحیم صدر میں بیٹھے تھے بلا مبالغہ اُن کا وزن تین من سے کم نہ ہو گا جب ان کے سامنے شمع آئی تو اُنھوں نے اپنی غزل سُنانی شروع کی جس کا مطلع یہ تھا۔

اسدرجہ رنج ہجر نے لاغر کیا مجھے — بستر پر آکے ڈھونڈ رہی ہے قضا مجھے

کہاں تو ان کا وہ تن و توش اور کہاں یہ لاغری۔ بھلا اس سے اصلیت کا اندازہ کیسے کیا جائے۔

یہانتک کہ اُردو میں جس میں تذکیر و تانیث کا امتیاز کیا جاتا ہے کسی عورت کے لیے بھی اگر وہ شاعری کرے تو یہ لازم ہو گا کہ اپنے واسطے مذکر کا صیغہ استعمال کرے کیونکہ اُردو شاعری میں بھی فارسی شاعری کی طرح مرد ہی عاشق اور مرد ہی معشوق قرار پایا ہے مثلاً ایک بیگم جس کا تخلص تاجور ہے کہتی ہے ؎

نہیں چین آتا اُسے ایک دم بھی — ہوا تاجور جب سے شیدا کسی کا

اس تصنّع کا کیا ٹھکانا ہے!

ہاں فارسی اور نیز اُردو میں ایسے اشعار بھی ہوتے ہیں جن میں شاعر کسی اصلی واقعہ کو

کو ظاہر کرتا ہی لیکن وہ صاف پہچانے جاتے ہیں۔

ایک یورپین مورخ خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے بڑی دھوم دھام سے یہ روایت نقل کرتا ہی جو ہمارے یہاں جہلا میں مشہور ہی کہ خواجہ ایک مفتی زادہ پر جس پر شاہ شجاع عاشق تھا فریفتہ ہوگئے۔ ایک دن اتفاق سے اس کے ساتھ محل شاہی کے پچھواڑے مینوشی میں مشغول ہوئے۔ وہ اپنے خیال میں خلوت میں تھے لیکن شاہ شجاع اس حرکت کو جھروکے سے دیکھ رہا تھا جوں ہی خواجہ نے شراب کا پیالہ بھر کے مفتی زادہ کو دیا بادشاہ نے پکار کے کہا۔ ع

حافظ قرابہ کش شد و مفتی شراب نوش

خواجہ کے لیے جب وہ ایک ناپسندیدہ کام میں مخفی طور پر مشغول تھے یہ آواز بدحواس کردینے والی تھی مگر اُنھوں نے اپنی تیزی طبیعت سے فوراً اس پر دوسرا مصرع لگادیا ع

در عہد بادشاہ خطابخش و جرم پوش

شاہ شجاع اس حاضر جوابی پر پھڑک اُٹھا اور خواجہ کی خطا سے درگزرا۔

اس روایت سے جو بھنگیرخانہ کی گپ سے زیادہ نہیں ہی اور جس کی ایک احمق سے احمق اور بھولے سے بھولا بچہ بھی تصدیق نہیں کریگا۔ وہ یہ نتیجہ نکالتا ہی کہ حافظ بڑے شرابخوار اور عشقباز تھے اور لطف یہ ہی کہ اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ یہ بھی لکھتا ہی کہ "حقیقت میں شاہ شجاع کی عیاشی کی وجہ سے اس کے زمانہ میں شراب خواری اور عشق بازی کا بہت زیادہ چرچا ہوگیا تھا"

کاش اس مورخ نے کوئی تاریخ بھی فارس کی اُٹھا کر پڑھی ہوتی تو اُسے معلوم ہوجاتا کہ تمام شاہان شیراز میں شاہ شجاع بہت بڑا عالم اور نہایت درجہ کا پابند شرع اور حافظ

قرآن تھا خود خواجہ اس کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

مظہر لطف ازل روشنی چشم امل　　جامع علم و عمل جان جہاں شاہ شجاع

اس کا زمانہ شیراز کے لیے شریعت اور مذہب کا زمانہ تھا۔ ایک بات ضرور تھی کہ امیر مظفر نے شراب خانے بند کر دیئے تھے اور شاہ شجاع کے زمانہ میں تجارت کی آزادی کی وجہ سے پھر شراب کی دکانیں کھل گئیں۔ اسی کا بعض جگہ خواجہ نے مذاق اڑایا ہی ؎

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش　　کہ دور شاہ شجاع است مے دلیر بنوش

صبح کو ہاتف غیب نے یہ خوشخبری میرے کانوں کو سنائی کہ شاہ شجاع کا زمانہ ہی کیلئے بندوں شراب پیو

ایسے متشرع بادشاہ اور حافظ جیسے ولی اللہ کے متعلق اس قسم کا غلط اندازہ کرنا فارسی تاریخ سے جہالت کی دلیل ہی۔

اور دیکھو تو خلوت بھی تلاش کریں تو کہاں۔ شاہی محل کے پچھواڑے جہاں بادشاہ خود ہی جھانکتا ہو۔ سبحان اللہ۔ ع

جاسوس سلطاں در کمیں معشوق سلطاں در بغل

تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ خواجہ بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے ہر شب جمعہ کو قرآن ختم کرتے تھے اور رات کے پچھلے حصہ میں اوراد وظائف پڑھتے تھے۔ ان کے تمام اوقات علمی مشغلوں۔ ریاضت اور عبادت میں صرف ہوتے تھے پھر اس قسم کے ہفوات ان کے دامن زہد و صلاح پر کیا دھبہ لگا سکتے ہیں۔

چارلس اسٹورٹ جس نے سلطان ٹیپو کے کتب خانہ کی فہرست مرتب کی ہی لکھا ہی کہ

حافظ پرہیز گاری میں مشہور ہی۔ اس کا تمام وقت خدا کی عبادت اور ریاضت میں صرف ہوتا تھا

فارس کے لوگ اس کو ایک ولی اللہ اور مقدس بزرگ سمجھتے ہیں اور عاشقانِ الٰہی اس کا کلام کثرت سے پڑھتے ہیں۔

خود دیوان میں ایسے بہت سے اشعار ہیں جن سے اِن کے زاہد و عابد ہونے کا پتہ لگتا ہی مثلاً

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بہ حافظ — از یمنِ دعائے شب و وردِ سحری بود

نیک بختی کا جو ذخیرہ کہ خدا نے حافظ کو عنایت کیا ہو وہ دعائے شب اور وظیفہ سحری کی برکت سے ملا ہی

بہ ہیچ وجہ دگر نیست حاجت اے حافظ — دعائے نیم شب و وردِ صبحگاہت بس

حافظ تجکو کسی دوسرے ذریعہ کی حاجت نہیں ہی آدھی رات کی دعا اور صبح کا وظیفہ تیرے لیے کافی ہی

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مفتاح التواریخ کا مصنف طامسن ولیم لکھتا ہی کہ خواجہ کے ایک کرمفرما امین الدین حسن اصفہان کے بہت بڑے رئیس تھے۔ خواجہ اُنکی ملاقات کو گئے۔ جب اصفہان پہونچے تو قبل اس کے کہ ان سے ملیں۔ ان کے غلاموں نے ان کو شرابی سمجھکر پکڑ لیا اور تشہیر کرنی شروع کی۔ آدھے شہر میں تشہیر کر چکے تھے کہ امین الدین کو خبر لگ گئی۔ وہ دوڑے ہوئے آئے خواجہ سے معافی مانگی اور عزت و احترام کے ساتھ لاکر ان کو اپنے مکان میں اُتارا۔ غلاموں کو سزائیں دیں۔ خواجہ نے شکرگزاری میں یہ غزل لکھی۔

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم — ہواداری کویش را چو جانِ خویشتن دارم

مرا در خانہ سروے ہست کاندر سایۂ قدش — فراغ از سرو بستانی و گلہائے چمن دارم

بکامِ آرزوئے دل چو دارم خلوتے حاصل — چہ باک از خبث بدگویاں میانِ انجمن دارم

صفائے خلوتِ خاطر ازاں شمعِ چگل جویم — فروغِ چشم و نورِ دل ازاں ماہِ ختن دارم

گرم صد لشکر از خوباں بقصد دل کمیں سازند — بحمد اللہ والمنۃ بتے لشکر شکن دارم
سزد گر خاتم لعلش زند لاف سلیمانی — چو اسم اعظمم باشد چہ باک از اہرمن دارم
خدارا اے رقیب امشب زمانے چشم بر ہم نہ — کہ من با لعل نوشینش نہانی یک سخن دارم
الا اے پیر فرزانہ مکن عیبم بمیخانہ — کہ من در ترک پیمانہ دل پیماں شکن دارم
شراب خوشگوارم ہست و یار مہرباں ساقی — ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم

بر ندی شہرہ شد حافظ پس از چندیں ورع اما
چہ غم دارم کہ در عالم امین الدین حسن دارم

اس مقطع کو دیکھکر غالباً یہ روایت گھڑ لی گئی ہی۔ یہ اور اسی قسم کی اور کئی ایک روایتیں جہلار کی محفلوں کو گرمانے کے لیے بھانڈوں اور نقالوں نے تراش رکھی ہیں جو اپنی تردید آپ ہی کرتی ہیں۔

کیا مضحکہ خیز بات ہی کہ غلاموں نے بدمستی میں تشہیر کرنی شروع کی۔ دنیا میں کہیں ایسے غلام دیکھے نہ سُنے جو قاضی و محتسب شہر کے فرائض بجا لاتے ہوں۔
ہمارے نزدیک یہ سب روایتیں خواجہ کی عظمت اور ہر دلعزیزی کی دلیل ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہی کہ نہ صرف پڑھے لکھے لوگوں میں وہ مقبول ہیں بلکہ جہلار اور عوام بھی ان کے ساتھ کم دلچسپی نہیں رکھتے اور محفلوں میں ان کا ذکر چھیڑنے کے لیے طرح طرح کی عجیب و غریب روائیتیں گھڑتے ہیں۔

خواجہ کے اوپر ان کی زندگی ہی میں معتزلی ہونے کا الزام البتہ لگایا گیا تھا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو تفسیر کشاف سے جو ایک معتزلی پیشوا علامہ جاراللہ زمخشری کی تصنیف ہی عشق تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس پر حاشیہ بھی لکھا ہی بعض لوگوں نے

اس وجہ سے اُن کو معتزلی کہا۔

محمد دارابی نے اس الزام کو خواجہ پر سے رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ خواجہ معتزلی نہ تھے اس وجہ سے کہ معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق اور مختار مانتے ہیں اور خواجہ مجبور محض سمجھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں ؎

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ　　تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من است

لے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے لیکن تو از روے ادب کے یہی کہہ کہ میں نے ہی گناہ کیا

علاوہ بریں معتزلہ خدا کی رویت کے قائل نہیں ہیں اور خواجہ کہتے ہیں ؎

ایں جانِ عاریت کہ بحافظ سپرد دوست　　روزے رخش ببینم و تسلیم وے کنم

یہ جان مستعار جو دوست نے میرے سپرد کی ہے ایکدن میں اسکے چہرے کو دیکھونگا اور اسے واپس کر دونگا

اس شعر سے ثابت ہو گیا کہ وہ اشعری ہیں نہ کہ معتزلی

وفات کے دو سو برس بعد تک ان کے معتزلی اور اشعری ہونے کا جھگڑا رہا بعد ازاں قاضی نور اللہ صاحب شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں جہاں تمام بڑے بڑے سنیوں حتیٰ کہ ہارون الرشید خلیفہ عباسی اور شیخ سعدیؒ کو بھی اہل تشیع میں داخل کیا ہے وہاں خواجہ کو بھی اسی فہرست میں درج کیا ہے اور ثبوت میں یہ غزل نقل کی ہے

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم　　یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

اس غزل میں خواجہ نے منصور کی مدح کی ہے اس کے آخر کے اس شعر سے

حافظ زجان محب رسول ست و آل او　　بر ایں سخن گواہ ست خداوند اکبرم

حافظ جان سے رسول کو اور ان کی اولاد کو دوست رکھتا ہے اس بات پر خداوند عالم گواہ ہے۔

قاضی صاحب خواجہ کو شیعہ کہتے ہیں۔ مگر اس سے ان کا شیعہ ہونا ثابت نہیں

ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اولاد کی محبت تو ہر سنّی بھی رکھتا ہی۔ معلوم ہوتا ہی کہ قاضی صاحب کے زمانہ تک وہ تمام غزلیں قصیدے اور رباعیاں وغیرہ جن سے صاف صاف خواجہ کا شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہی دیوان میں داخل نہیں کیگئی تھیں ورنہ قاضی صاحب ان کو ضرور لکھتے۔

یہ مقطع بھی ایک قلمی دیوان میں جو ۹۸۱ھ کا لکھا ہوا ہی۔ اس طرح ہی۔

حافظ بجان دعائے تو گوید بصبح و شام برایں سخن گواست خداوند اکبرم

سلسلۂ کلام کے لحاظ سے یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہی۔ کیونکہ یہاں رسول اور آل رسول کے ذکر کا کوئی موقع نہ تھا۔

ایک بات یہ بھی ہی کہ اہل تشیُع کے یہاں جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں اور خواجہ فرماتے ہیں ؎

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق چار تکبیر زدم یکسرہ برہرچہ کہ ہست

میں نے جسوقت عشق کے چشمہ سے وضو کیا اسی وقت تمام چیزوں پر چار تکبیریں (نمازہ جنازہ) پڑھ دیں

شیعوں کی طرف سے خود خواجہ پر دو اعتراض کیے گئے ہیں: ایک تو یہ کہ وہ کہتے ہیں

ببیں ہلال محرم بخواہ ساغر راح کہ ماہ امن و امانست و سال صلح و صلاح

محرم کا ہلال دیکھو اور شراب کا پیالہ پیو کیونکہ امن و امان کا مہینہ اور بہتری اور بہبودی کا سال ہی

شیعوں کے نزدیک محرم کا مہینہ سوگ اور ماتم کا مہینہ ہی۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام اس میں قتل ہوئے ہیں اور وہ محرم کا ہلال دیکھتے ہی جام شراب طلب کرتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ لوگ تبرکاً و تیمناً اپنی کتاب کو اللہ اور رسول کی تعریف یا قرآن کی

کسی آیت سے شروع کرتے ہیں اور خواجہ نے اپنے دیوان کو یزید کے مصرع سے شروع کیا ہی۔ اس کا شعر یہ ہی۔

انا المسموم ماعندی بتریاق ولا راقی ادر کاساً وناولہا الا یا ایہا السّاقی

مجھکو زہر دیا گیا ہی نہ میرے پاس تریاق ہی نہ منتر پڑھنے والا ہی لے ساقی ساغر کا دور چلا اور پیالہ عنایت کر

خواجہ نے اس کے دوسرے مصرع میں ذرا سا تغیّر تبدل کرکے اسی سے اپنا دیوان شروع کیا ہے۔

الا یا ایہا السّاقی ادر کاساً وناولہا کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اہلِ شیرازی نے گو کہ خواجہ کی طرف سے معذرت کی ہی اور یہ قطعہ لکھا ہی کہ

خواجہ حافظ را شبے دیدم بخواب گفتم اے در فضل و دانش بے مثال

از چہ بستی بر خود ایں شعر یزید باوجود ایں ہمہ فضل و کمال

گفت واقف نیستی زیں مسئلہ مالِ کافر ہست بر مومن حلال

لیکن کاتبی نیشاپوری راضی نہیں ہوتا وہ کہتا ہی کہ "ایک شیر کے لیے یہ ننگ ہی کہ کوئی کتّا منہ میں نوالہ لیے ہوئے جارہا ہو اور وہ اس کو چھین لے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہی۔

عجب در حیرتم از خواجہ حافظ بنوعے کش خرد زاں عاجز آید

چہ حکمت دید در شعر یزید او کہ در دیوان نخست از وے سراید

اگرچہ مالِ کافر بر مسلماں حلالست و در و قولے نشاید

ولے از شیر عیبے بس بزرگست کہ لقمہ از دہانِ سگ رُباید

ہم اس معاملہ میں حیران تھے کہ خواجہ کو کس فرقہ میں شمار کریں۔ معتزلی کہتے ہیں تو سُنّی خفا ہوتے ہیں سُنّی کہتے ہیں تو شیعہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ آخر خود ہم نے خواجہ

سے سوال کیا کہ بتائیے آپ کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آزاد منش خواجہ نے جواب دیا ؏

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ ایک درویش کامل اور صوفی باصفا تھے۔ وہ اس تفرقہ کے جال سے جو ظاہری تقلید سے پیدا ہوئے ہیں بالکل آزاد تھے۔ وہ مذہب کی وسعت کو سمجھتے تھے اور سچے مسلمان تھے۔ ان کا درجہ فرقہ بندی کی دسترس سے بہت بلند تھا ؏

بر دایں دام بر مرغِ دگر نہ | کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

ذاتی حالات

خواجہ کی زندگی درویشانہ اور فقیرانہ زندگی تھی۔ ان کے تمام اوقات علمی مشاغل عبادت اور ریاضت میں صرف ہوتے تھے۔ سیرچشمی اور فیاضی جو بزرگوں کا خاصہ ہے۔ ان میں بدرجہ کمال موجود تھی۔ اور دنیاوی جاہ و مال کی خواہش سے ان کا رتبہ بہت بلند تھا ان کی تمام آمدنی فقرا اور درویشوں کے لیے وقف تھی اور بیگانہ اور آشنا سب کے لیے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا ؏

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو | گیر و دارِ حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

ان کی روزی بادشاہوں اور امراء کی فیاضی پر منحصر نہ تھی بلکہ وہ مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے اور اُس کی آمدنی سے گذارہ کرتے تھے۔ ان کی ایک بہن چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ مری تھی اُن کی پرورش بھی انہیں کے ذمہ تھی۔

وہ مجذوب صوفی یا آزاد مجرد نہ تھے۔ اُنھوں نے شادی بھی کی تھی اور ان کے

دو بیٹے تھے ایک بیٹا نوعمری کی حالت میں مر گیا۔ اس کے مرثیہ میں ایک غزل لکھی جسکے چند شعر یہ ہیں۔

بلبلے خونِ جگر خورد و گلے حاصل کرد — بادِ غیرت بصدش خار پریشاں دل کرد
طوطئے را بخیال شکرے دل خوش بود — ناگہش سیل فنا نقش امل باطل کرد
آہ فریاد کہ از چشم حسودِ مہ و مہر — در لحد گاہ کماں ابروئے من منزل کرد

بیان کیا جاتا ہی کہ خواجہ کی اہلیہ بھی جو ایک نیک سیرت اور حسین و جمیل بیوی تھیں عین شباب ہی کے زمانہ میں انتقال فرما گئیں۔ خواجہ کو ان کی موت سے ایسا صدمہ ہوا کہ پھر دوسرا نکاح نہیں کیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غزل انہیں کے مرثیہ میں لکھی ہی۔

آں یار کز و خانۂ ما جائے پری بود — سر تا بقدم چوں پری از عیب بری بود
از چنگِ منش اختر بد مہر بدر کرد — آرے چہ کنم آفت دور قمری بود

دوسرے بیٹے کا نام شاہ نعمان تھا وہ ہندوستان میں آئے تھے۔ برہان پور میں اُنھوں نے انتقال کیا۔ ان کی قبر بھی وہیں قلعہ آسیر کے قریب ہی۔

حبِ وطن

وطن کی محبت کم و بیش ہر شخص میں ہوتی ہی لیکن شعرائے کے اندر جن کا احساس عام لوگوں سے زیادہ تیز اور لطیف ہوتا ہی۔ خصوصیت کے ساتھ یہ جذبہ پایا جاتا ہی خواجہ کے جس طرح تمام شاعرانہ جذبات نہایت بلند تھے۔ اسی طرح حُبِ وطن کا بھی جذبہ ان میں بہت بلند تھا۔

وطن بھی کیسا وطن، شیراز جیسا مینو سواد۔ عروس البلاد وطن جہاں کی آب و ہوا نہ زیادہ گرم ہی نہ سرد ہی۔ بلکہ نہایت معتدل اور خوشگوار ہی۔ اور جو صدیوں تک شاہانِ فارس کا پایۂ تخت رہا ہی۔ جس کی خاک سے سینکڑوں بڑے بڑے نامور علمار فضلا اور اہل کمال پیدا ہوئے جن کے کارنامے اور تصنیفیں ابتک مسلمانوں کے لیے مایۂ ناز ہیں اکثر شاعروں نے شیراز کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے بھی اس شہر کی اور یہاں کے باشندوں کی مدح کی ہی۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ شیراز کو ہر دلعزیز بنانیوالے وہی چند اشعار ہیں جو خواجہ نے اس کی تعریف میں لکھدیئے ہیں۔ سعدی کہتے ہیں ؎

خاک شیراز و آب رکنا باد　　دست از دامنم نمی دارد

شیراز کی خاک اور رکنا باد کا چشمہ دونوں میرا دامن نہیں چھوڑتے ہیں

خواجہ فرماتے ہیں ؎

نسیمِ باغ مصلّٰے و آب رکنا باد　　نمی دہند اجازت مرا بسیر و سفر

باغ مصلّٰے کی نسیم اور رکنا باد کا چشمہ دونوں مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں دیتے

خواجہ کو اپنے دلفریب وطن اور اس کی پُر فضا سیرگاہوں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ کہیں دوسری جگہ آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے ایک دفعہ یزد والوں کے بڑے اصرار سے وہاں تشریف لے گئے۔ شیراز کی یاد میں کیسا آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں۔

نمازِ شام غریباں چو مویہ آغازم　　بنالہائے غریبانہ قصہ پردازم

بیا دیار و دیارِ آنچناں بگریم زار　　کہ از جہان رہ و رسم بسفر بیندازم

ہوائے منزلِ جاناں چو آب زندگی است　　صبا بیار نسیمے زخاک شیرازم

اُنھوں نے شیراز کی تعریف میں یہ غزل بھی لکھی ہی جو "غزل شیرازی" کے نام سے مشہور ہی۔

خوشا شیراز و وضع بے مثالش | خداوندا نگہدار از زوالش
زر رکنا باد ما صد لوحش اللہ | کہ عمر خضر مے بخشد زلالش
میانِ جعفر آباد و مصلّے | عبیر آمیز مے آید شمالش
بشیراز آے و فیض روحِ قدسی | بجواز مردم صاحب کمالش
کہ نام قند مصری برد آنجا | کہ شیریناں ندادند انفعالش
صبا زاں لولی شنگول سرمست | چہ داری آگہی چونست حالش
مکن بیدار ازیں خوابم خدارا | کہ دارم عشرتے خوش باخیالش

چرا حافظ چو مے ترسیدی از ہجر
نکردی شکر ایام وصالش

شیراز کے مشرقی سمت میں دو میل کے فاصلہ پر ایک مسطّح اور خوشنما مرغزار ہی جس کا نام خاک مصلّٰے ہی۔ اس میں ہمیشہ قدرتی سبزہ کا فرش بچھا رہتا ہی اور بہار کے زمانہ میں رنگ برنگ کے خودرو پھول اس کثرت سے کھل جاتے ہیں کہ تمام میدان گلزار بنجاتا ہی۔ اسی میں نہر رکنی یا رکنا باد جاری[۱] ہی۔ جو رکن الدولہ دیلمی نے نکالی تھی اور جس کا پانی نہایت صاف شفاف اور شیریں ہی۔ خواجہ اس کی مدح میں کہتے ہیں ؎

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت | کنار آب رکنا باد و گل گشت مصلّے را

---

[۱] اب اس نہر کا برائے نام نشان باقی ہی۔

اس نہر کے منبع کا نام "اللہ اکبر" ہے خواجہ نے ایک غزل میں لکھا ہے ؎

فرق است آب خضر کہ ظلمات جائے اوست تا آبِ ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

خضر کے چشمہ آب حیات میں کہ ظلمات میں ہے اور ہمارے اس چشمہ میں جس کا منبع اللہ اکبر ہے بڑا فرق ہے

شیراز کی اکثر سیر گاہیں اور باغات بھی اسی جانب واقع ہیں اور یہ قطعہ زمین ایک نہایت پر فضا مقام ہے خواجہ کی طبیعت چونکہ فطرتاً شاعرانہ تھی اس لیے وہ قدرتی مناظر دلفریب اور پر فضا مقامات کو جہاں کسی قدر تنہائی بھی ہو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اسی وجہ سے خاک مصلّٰے ان کو بہت پیاری تھی۔ اکثر اپنے فرصت کے اوقات میں وہیں چلے جاتے تھے اور دل بہلاتے تھے۔

تمام دنیا پر اس کو ترجیح دیتے ہیں کہتے ہیں ؎

شیراز و آبِ رکنی و این باغ خوش نسیم عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشور است

شیراز اور چشمہ رکنی اور اس پر فضا باغ کو برا نہ کہو کیونکہ یہ تمام دنیا کے چہرہ کا تل ہے۔

وفات

تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں عشا کے وقت دوشنبہ کے دن تاریخ ۱۷۔ ذالحجہ ۷۹۱ھ سنہ میں خواجہ نے شیراز ہی میں وفات پائی جنازہ پر خلقت خدا کا بڑا ہجوم تھا۔ شہر کے تمام امرا اور رؤسا حتی کہ منصور بن مظفر بادشاہ وقت بھی شریک تھا۔ خواجہ کو چونکہ خاک مصلّٰے سے اپنی زندگی میں بہت الفت تھی اس لیے لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اسی مقام میں ان کو دفن کرنا چاہیے۔ ع

قبر بلبل کی بنے گلزار میں

چنانچہ اسی میں وہ ایک شمشاد کے درخت کے نیچے جس کو انھوں نے خود لگایا تھا
دفن کیے گئے۔ لطف یہ ہو کہ "خاک مصلّٰے" ہی سے ان کی وفات کی تاریخ بھی نکل آئی
اسی زمانہ کے کسی شاعر نے جس کا نام نہ معلوم ہوسکا اس کو نظم کرکے اس طرح قطعہ تاریخ بنادیا۔

چراغ اہل معنی خواجہ حافظ که شمعے بود از نور تجلّٰے
چو در خاکِ مصلےٰ ساخت منزل بجو تاریخش از خاک مصلّٰے ۷۹۱ھ

خواجہ کا مزار خاک مصلّٰے کے جس حصہ میں ہو وہ انہیں کے نام سے حافظیہ کہلاتا ہو
اس سے دو سو گز فاصلہ پر مغرب کی طرف مسجد مصلّٰے ہو۔

خواجہ کی قبر جیسا کہ اُنھوں نے خود کہا تھا۔

بر سر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ که زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

ہماری قبر پر جب تمہارا گذر ہو تو دعا مانگو کیونکہ ہماری قبر دنیا بھر کے رندوں کی زیارت گاہ ہوگی

ایک مشہور زیارت گاہ ہو۔ دور دور سے لوگ خاصکر فقرا اور درویش اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اور حلقۂ دور میں ایک جام ان کے نام کا سپرد خاک کرتے ہیں۔
۸۸۵ھ میں جب سلطان ابوالقاسم بابر بہادر نے شیراز پر قبضہ کیا تو مولانا محمّد معمائی نے جو سلطان مذکور کے وزیر تھے خواجہ کی قبر پر ایک خوشنما گنبد بنوادیا
کریم خاں زند نے اپنے عہد حکومت میں باغ مصلّٰے کو جس میں نہر رکنی جاری ہو درست کرایا اور وہاں درویشوں کے رہنے کے لیے ایک خانقاہ بھی بنوادی تربت پر سنگ مرمر کا ایک خوبصورت تختہ لگوا کر نہایت خوشنما نستعلیق خط میں بیچ میں یہ غزل کندہ کرائی۔

مژدۂ وصل تو کو کز سر جاں برخیزم طائر قدسم و از دامِ جہاں برخیزم

یارب از ابر ہدایت برساں بارانے پیشتر زانکہ چو گردے زمیاں برخیزم
بولائے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی از سر خواجگی کون و مکاں برخیزم
بر سر تربت من مئے و مطرب منشیں تا بہ بویت ز لحد رقص کناں برخیزم
گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر تا سحر گہ ز کنار تو جواں برخیزم
تو مپندار کہ از خاک سر کوئے تو من بجفائے فلک و جور زماں برخیزم
سرو بالا بنما اے بت شیریں حرکات
کہ چوں حافظ ز سر جان جہاں برخیزم

حاشیہ پر یہ غزل کندہ ہے۔

اے دل غلام شاہجہاں باش و شاہ باش پیوستہ در حمایت لطف الٰہ باش
از خارجی ہزار بیک جو نمے خرند گو کوہ تا بکوہ منافق سپاہ باش
چوں احمدم شفیع بود روز رستخیز گو ایں تن بلاکش ما پر گناہ باش
امروز زندہ ام بولائے تو یا علیؑ فردا بروح پاک امامان گواہ باش
آنرا کہ دوستی علی نیست کافرست گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
مرد خدا کہ زاہد و تقوے طلب بود خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش
قبر امام ہشتم سلطان دیں رضا از جاں ببوس و بر در آں بارگاہ باش
دستت نمی رسد کہ بچینی گلے زباغ بارے بپائے گلبن ایشاں گیاہ باش
حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن
وانگاہ در طریق چو مردان راہ باش

لیکن یہ غزل خواجہ کی نہیں ہے۔ کریم خاں زند نے کسی سے تصنیف کرا کے لکھوائی ہے۔

کیونکہ بارہویں صدی سے پہلے یعنی کریم خاں زند کے پیشتر کے دیوان حافظ کے نسخوں میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارے پاس اس وقت چار نسخے ہیں۔ ایک سنہ ۹۵۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا سنہ ۹۸۱ھ کا تیسرا سنہ ۱۰۹۳ھ کا چوتھا سنہ ۱۲۰۵ھ کا ان میں سے پہلے تینوں نسخوں میں نہیں ہے صرف چوتھے میں ہے۔ مولانا سودیؒ کے نسخہ (جس کا ذکر آگے آئیگا) میں بھی نہیں ہے بلکہ لکھا ہے کہ "تعلیم یافتہ ترکوں نے عام طور پر مجھ سے کہا کہ یہ غزل کسی غیر شخص نے لکھکر دیوان میں داخل کر دی ہے۔



تصنیفات

تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نے تفسیر کشاف پر ایک حاشیہ لکھا تھا۔ ہم نے اُس کو بہت تلاش کیا مگر افسوس ہے کہ نہیں مل سکا۔ کشف الظنون اور اکسیر میں جہاں ان کتابوں کی فہرست درج ہے جو علوم قرآنیہ کے متعلق لکھی گئی ہیں وہاں تفسیر کشاف کے حاشیوں شرحوں اور خلاصوں کو بھی نام بنام لکھا ہے۔ ان میں خواجہ کے حاشیہ کا ذکر نہیں ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خواجہ نے حاشیہ ہی نہیں لکھا کیونکہ شیراز کے علما نے اور خاصکر اسی صدی کے علما نے جس میں خواجہ موجود تھے کشاف کے متعلق کتابیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر وہاں کے علمائے کے حلقہ میں دلچسپی کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ پھر خواجہ نے جو تفسیر ہی پڑھاتے تھے اور اس فن سے خاص ذوق رکھتے تھے کچھ عجب نہیں کہ اس تفسیر پر جو اُن کو بہت پسند تھی حاشیہ لکھا ہو وہ خود کہتے ہیں۔

زحافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نکرد لطائف حکما با کتاب قرآنی

دنیا بھر کے حافظوں میں سے میری طرح کسی نے بھی فلسفیوں کے اقوال کو قران کے ساتھ مطابق نہ کیا

مگر چونکہ سہل پسند طبیعتوں نے خود کشاف ہی کو جو ایک دقیق کتاب ہے ترک کر دیا تو اس کے حواشی اور شروح کی طرف ان سے توجہ کرنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی اسلیئے یہ قیاس کرنا غالباً صحیح ہو گا کہ خواجہ کا حاشیہ بھی منجملہ اور تصانیف کے علمی بے اعتنائی کا شکار ہو گیا ان کی اس وقت جو یادگار رہ گئی وہ دیوان ہے۔

خواجہ اپنے علمی مشاغل اور صوفیانہ ریاضتوں کی وجہ سے اپنے کلام کو جو اُن کی طبیعت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کوئی بڑا کارنامہ نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنی زندگی میں

اُنھوں نے اس کے جمع کرنے کی طرف بھی توجہ نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد محمد گلندام نے جو ان کے معتقدوں میں سے تھے دیوان کو مرتب کیا۔ وہ دیباچہ میں لکھتے ہیں
"قرآن کی تعلیم بادشاہ کی ملازمت۔ کشاف اور مصباح پر حاشیہ لکھنے۔ مطالع اور مفتاح کے مطالعہ۔ علم ادب کی تحصیل اور شعراء عرب کے دواوین کی جستجو میں وہ ایسے مصروف رہے کہ اپنے اشعار اور غزلوں کو جمع نہیں کر سکے"

دیوان کی ترتیب اسی اصول پر ہی جس اصول پر دیگر شعراء فارس کے دواوین کی ہی حروف تہجی کے سلسلہ کے مطابق الف سے ے تک ردیف وار غزلیں درج کی گئی ہیں البتہ پ چ ژ ذ اور گ کی ردیف پر کوئی غزل نہیں ہی۔

سب سے زیادہ جو امر افسوسناک ہی وہ یہ ہی کہ خواجہ کے کلام میں دوسروں کا کلام خلط ملط کر دیا گیا ہی۔ اور بہت سی غزلیں اور قصیدے غیروں کے اس میں داخل کر دیئے گئے ہیں۔ جس کے بہت سے اسباب ہیں۔

ایک بڑا سبب تو یہ ہی کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے خیالات کو لوگوں میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی حیثیت اور عزت لوگوں میں اس قدر نہیں ہوتی کہ ان کے خیالات کی وقعت ہو اس لیے وہ کسی بڑے آدمی کے نام کی طرف اُن کو منسوب کر دیتے ہیں۔ تاکہ لوگ وقعت کی نگاہ سے دیکھیں۔ حضرت علیؓ کے کہے ہوئے بہت تھوڑے سے اشعار ہوں گے لیکن ان کے نام سے سینکڑوں آدمیوں نے اپنے اپنے خیالات عوام میں پھیلانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کی وفات کے کئی صدی کے بعد ان کے نام سے پورا دیوان تیار کر لیا گیا۔ اسی طرح حافظ کے نام سے بھی بہت سی غزلیں اور رباعیاں گھڑ کر لوگوں نے ان کے دیوان میں داخل کر دیں۔ دوسرے

شعرا کا بھی جو کلام ان کو پسند آیا اس کو بھی اُنھوں نے حافظ کا قرار دیدیا۔ رضا قلی لکھتا ہی کہ سلمان ساؤجی متوفی ۷۷۸ھ جو بغداد کے ایلکانی دربار کا بڑا معزز شاعر تھا۔ اس کا بھی کچھ کلام لوگوں نے اس کے دیوان سے خواجہ کے دیوان میں شامل کر دیا ہی۔

دوسرا سبب یہ ہی کہ سلطان مرزا شاہرخ کے درباریوں میں ایک حافظ حلوائی تھا۔ جو حافظ شیرازہی کے رنگ میں کہتا تھا۔ اس کا شعر ہی۔

حافظ حلوائیم و در کمال   معتقدِ حافظ شیرازیم

بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اس کے بعض قصیدے اور غزلیں خواجہ کے سمجھکر ان کے دیوان میں داخل کر دیئے۔

تیسرا سبب یہ ہی کہ بعض لوگوں نے خواجہ کو شیعہ کہنے کے لیئے ان کے دیوان میں ایسا کلام ملحق کیا جس سے ثابت ہو کہ وہ شیعہ تھے۔ جہانتک میں سمجھتا ہوں اس قسم کی غزلیں اور قصیدے اہلی شیرازی[1] یا اس کے کسی ہمعصر کی تصنیف سے ہیں۔

الحاق کرنے والوں نے بھی غضب کیا ہی عمر خیام کی بہت سی رباعیاں نقل کر لی ہیں اور تو اور شیخ سعدیؔ کے دیوان کے بیسیوں مشہور اشعار خواجہ کے دیوان میں داخل کر دیئے ہیں۔ مثلاً

یا زآنکہ در فراقِ تو چشمِ امیدوار   چوں گوشِ روزہ دار بر اللہ اکبرست

خیالِ روے کسے در سرست ہر کس را   مرا خیالِ کسے کز خیال بیرون ست

گنجِ آزادگی و کنجِ قناعت ملکیست   کہ بہ شمشیر میسر نشود سلطاں را

---

[1] اہلی شیرازی شاہ اسمٰعیل صفوی کے درباری شعرا میں سے تھا ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔ خواجہ حافظ کے مقبرہ میں مدفون ہوا ایک دیوان اور مثنوی سحر حلال یادگار ہی۔

مندرجہ ذیل پوری غزل شیخ کی بہ تبدیل تخلّص دیوان حافظ کے ان نسخوں میں جو بمبئی یا کانپور وغیرہ میں چھپے ہیں شامل کی گئی ہی۔

برخیز تا طریق تکلف رہا کنیم
دکانِ معرفت بدو جو پر بہا کنیم

گر دیگر آں نگار قبا پوشش بگذرد
ما نیز جامہاےِ تصوف قبا کنیم

ہفتاد زلت از نظر خلق در حجاب
بہتر ز طاعتے کہ بروے وریا کنیم

آں کو بغیر سابقہ چندیں نواخت کرد
ممکن بود کہ عفو کند گر خطا کنیم

سعدی وفا نمیکند ایام سست مہر
ایں پنجروزہ عمر بیا تا وفا کنیم

لاہور کے چھپے ہوئے اور نیز دیوان حافظ کے دوسرے نسخوں میں بھی شیخ کا یہ مشہور شعر جس کو گلستاں پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہیں۔ موجود ہی۔

یا مکن با پیل باناں دوستی
یا بنا کن خانۂ در خورد پیل

اس سے زیادہ بدیہی مثال الحاق کی اور کیا ہوگی۔

دیوان کا ایک نسخہ اُٹھا لیجے اور دوسرے نسخے سے ملا کر دیکھئے۔ سینکڑوں اشعار کا فرق نظر آئیگا۔ غزلیات کی ترتیب ایک نسخہ کی اور ہی دوسرے کی اور۔ ایک میں اگر چارسو غزلیں ہیں۔ تو دوسرے میں پانچسو۔ سو غزلوں کا فرق پڑ جاتا ہی۔

شکر ہی کہ سب سے پہلے گیارہویں صدی ہجری کے ابتدا میں ایک ترک عالم مولانا سودیؒ نے جو بوسینیا کے باشندے تھے دیوان کو غالباً وینا میں طبع کرایا اسکی نقل دوبارہ اور سہ بارہ لیپزگ اور وینا میں طبع ہوئی کچھ زمانہ ہوا قسطنطنیہ میں بھی چھاپی گئی ہی۔

مولانا سودی نے نویں اور دسویں صدی ہجری کے دیوان کے بہت سے قلمی نسخے جمع کئے ان کا مقابلہ کر کے نہایت تصحیح کے ساتھ طبع کرایا۔ ہمارے پاس جو قلمی نسخہ دیوان کا ۹۵۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کو مولانا سودی کے نسخے سے ملا کر ہم نے دیکھا سوائے غزلوں کی ترتیب کے کچھ زیادہ فرق نہیں پایا۔

عام بازاری نسخوں سے مولانا سودی کے نسخہ میں ۶۰۔۷۰ غزلیں کم ہیں۔ بمبئی کے مطبع فتح الکریم کے چھپے ہوئے نسخے میں ۵۹۲ غزلیں ہیں مسٹر جیرٹ کے نسخے میں ۵۷۲ اور مولانا سودی کے نسخے میں ۵۲۸ علاوہ بریں ۱۰۲ شعر جو مختلف غزلوں میں داخل کر دیئے گئے ہیں۔ مولانا سودی کے نسخہ میں نہیں ہیں

قصیدوں کی کیفیت یہ ہے کہ مطبوعہ نسخوں میں سے کسی میں کوئی قصیدہ نہیں ہے کسی میں چار ہیں کسی میں پانچ۔ ہمارے ۹۵۲ھ کے نسخے میں ایک بھی نہیں ہے ۱۲۰۸ھ کے نسخہ میں سات ہیں۔

مگر عام طور پر قلمی نسخوں میں کوئی قصیدہ نہیں پایا جاتا۔

برٹش میوزیم میں دیوان کے پرانے قلمی نسخے جس قدر موجود ہیں تقریباً سب بلا قصیدہ کے ہیں۔ مثلاً ابوالفتح بن شیخ محمد بنی اسرائیل ساکن کول کا لکھا ہوا نسخہ جمادی الاول ۱۰۲۰ھ کا بلا قصیدہ کے ہے۔ سلیمان الفوشنجی کے نسخہ میں بھی کوئی قصیدہ نہیں ہے۔ عبدالرشید بن مولانا عبداللطیف ترکان دہلوی کا نسخہ جو ۱۰۵۳ھ کا لکھا ہوا ہے بلا قصیدہ کے ہے۔ عبداللہ تبریزی کے نسخہ میں بھی کوئی قصیدہ نہیں ہے۔

بانکی پور کے کتب خانہ کی قلمی کتابوں کی فہرست جو انگریزی میں مولوی عبدالمقتدر خاں صاحب نے مرتب کی ہے اور سال گزشتہ میں کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں

اُنھوں نے دیوان کے کئی قلمی نسخوں کا پتہ دیا ہی۔ ان میں سے اکثر میں صرف یہ ایک قصیدہ ہے۔

جو زا سحر نہاد حمائل برابرم ۔۔۔ یعنی غلام شاہم وسوگند میخورم

مسٹر ریچ کے سکرٹری نے ۱۸۲۱ء میں جو نسخہ اس دیوان سے نقل کیا ہی۔ جو خواجہ کے مزار پر رکھا رہتا ہی اور جو انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہی اس میں بھی صرف یہی ایک قصیدہ ہی۔ قاضی نور اللہ صاحب نے اس قصیدے کو بھی غزل لکھا ہی۔ اور ہمارے پرانے نسخہ میں اس کا نہ غزلیات میں پتہ ہی نہ قصائد میں۔ ترکیب بند کا کسی پرانے نسخہ میں پتہ نہیں ہی۔ ہم خود حیرت میں ہیں کہ یہ ترکیب بند شاہ ناصر الدین کی مدح میں لکھا گیا ہی اور اس صدی میں تمام فارس میں ناصر الدین نام کا کوئی بادشاہ ہم کو نہیں ملتا پھر یہ خواجہ کا کیسے ہو سکتا ہی ترجیع بند بھی پرانے نسخہ میں نہیں ہی نہ مغنی نامہ ہی نہ ساقی نامہ ہی۔

رباعیات قلمی نسخوں میں سے کسی میں بیس ہیں کسی میں پچیس ہیں ہمارے پرانے نسخہ میں ۲۷ ہیں۔ بمبئی اور لکھنؤ کے چھپے ہوئے نسخوں میں ۷۵ تک ان کی تعداد پہنچ گئی ہے۔

۱۹۰۲ء میں مطبع نامی لکھنؤ نے دیوان کو اور بھی ملحقات سے بھر دیا اس مطبع میں پہلے جو نسخہ چھپا تھا اس میں ۶۱۲۲ اشعار تھے سید جلال الدین اندرابی نے جو غالباً اس مطبع سے کچھ تعلق رکھتے ہیں ایک شعر کسی کا دیکھا جس میں دیوان حافظ کے اشعار کی تعداد آٹھ ہزار بتائی گئی ہی۔ اس سے ان کو یہ شوق ہوا کہ آٹھ ہزار اشعار دیوان کے پورے کرنے چاہئیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے قلمی اور غیر ملکوں کے چھپے ہوئے

۱۰۴ نسخے دیوان حافظ کے جمع کیے اور یہ اصول رکھا کہ کم سے کم چار نسخوں میں جو شعر ملے اس کو لے لینا چاہیے۔ چنانچہ اس طرح ۴۸۰ غزلیں ۹۵ رباعیاں ایک معما ۴۵ قطعات ایک مسدس ۱۲۴۲ اشعار متفرقہ اور بھی شامل کر دیئے۔ آخر میں خود لکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے شعروں اور غزلوں کی نسبت ملحق ہونے کا گمان غالب تھا۔ لیکن آٹھ ہزار اشعار کی تکمیل کے شوق میں ان کو چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔

ہم اس شوق اور مذاق کو کیا کہیں جس کی بدولت ایک ایسی قیمتی محنت رائگاں گئی۔

ہم مولانا سودیؒ کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں کہ انھوں نے حافظ کی سچی خدمت کی اور آج سے تین سو برس پہلے ان کے کلام کا قابل اعتبار اور صحیح مجموعہ چھاپکر شائع کیا۔

کلام کی اشاعت

خواجہ کا کلام چونکہ مقبول خاص و عام تھا اس وجہ سے بہت تھوڑے عرصہ میں ملکوں ملکوں پھیل گیا ہزار ہا نسخے اس کے لکھے گئے۔

چھاپہ کی ایجاد کے بعد سب سے پہلے مولانا سودیؒ نے سترہویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس کو چھاپکر شائع کیا۔ ترکی زبان میں اس کی ایک شرح بھی لکھی بعد ازاں پھر مختلف ملکوں میں وہ چھپا۔

اس وقت ہمارے سامنے دو فہرستیں موجود ہیں جن میں دیوان حافظ کے طبع اور اشاعت کی مختصر کیفیت لکھی ہوئی ہے۔

ایک برٹش میوزیم کی فارسی کی قلمی کتابوں کی فہرست مرتبہ چارلس ریو دوسری بانکی پور کے کتب خانہ عام کی فارسی اور عربی کی قلمی کتابوں کی فہرست مرتبہ مولوی

عبد المقتدر صاحب ان کے علاوہ دیوان کے بیسیوں نسخے دنیا کے مختلف حصوں کے چھپے ہوئے بھی ہمارے پاس موجود ہیں اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے علم کے مطابق دیوان کے طبع اور اشاعت کی کیفیت درج کریں۔ نیز اسکی شرحوں اور حاشیوں کی بھی فہرست لکھیں

نام مقام	سنہ اشاعت
......	سترہویں صدی کے آغاز میں مولانا سودی کا نسخہ
لندن	سنہ ۱۷۹۱ء۔ حافظ کے مختصر حالات زندگی بھی دیباچہ کے ساتھ ہیں۔
کلکتہ	سنہ ۱۷۹۱ء۔ سنہ ۱۸۲۶ء مع حاشیہ مولوی فتح علی صاحب سنہ ۱۸۵۸ء۔ سنہ ۱۸۸۱ء مسٹر جیرٹ کا نسخہ
لیپزگ	سنہ ۱۸۵۴ء براکھاس نے مولانا سودی کا نسخہ مع ان کی شرح کے طبع کرایا۔
وینا	سنہ ۱۸۵۸ء روزنزویگ نے معہ اپنے ترجمہ کے تین جلدوں میں شائع کیا۔ سنہ ۱۸۶۳ء مولانا سودی کے نسخہ کی نقل
قسطنطنیہ	سنہ ۱۲۵۷ھ۔ سنہ ۱۸۷۰ء۔ مع دو شرحوں کے ایک مولانا سودی کی دوسری مولانا سید محمد کی
طہران	سنہ ۱۲۵۸ھ
تبریز	سنہ ۱۲۵۷ھ
اصفہان	سنہ ۱۲۶۵ھ
مشہد	سنہ ۱۲۶۴ھ
بمبئی	سنہ ۱۲۲۸ھ۔ سنہ ۱۸۴۱ء۔ سنہ ۱۸۸۳ء۔ سنہ ۱۲۶۷ھ۔ سنہ ۱۲۷۷ھ
بولاق (مصر)	سنہ ۱۲۵۰ھ۔ سنہ ۱۲۵۶ھ۔ سنہ ۱۲۸۱ھ
دہلی	سنہ ۱۲۶۹ھ۔ سنہ ۱۸۸۸ء
آگرہ	سنہ ۱۸۶۱ء
لکھنؤ	مطبع نولکشور میں سنہ ۱۸۷۶ء سے سنہ ۱۹۰۶ء تک ۹ مرتبہ۔ اور مطبع نامی میں سنہ ۱۹۰۴ء تک چار بار
لاہور	سنہ ۱۸۸۸ء۔ سنہ ۱۹۰۷ء
کانپور	سنہ ۱۸۳۱ء سنہ ۱۹۰۲ء

نام کتاب	نام مصنف	مطبوعہ یا قلمی	زبان	کیفیت
شرح دیوان حافظ	مولانا سودی	مطبوعہ قسطنطنیہ	ترکی	
"	مولانا سید محمد ابن سید حسن	" "	"	
"	مولانا شمعی	قلمی کتب خانہ سلطانی	"	
"	مصطفیٰ بیگ مصلح الدین سروری	" برٹش میوزیم		
"	شیخ محمد فضل الہ آبادی	" کتب خانہ بانکی پور	فارسی	
"	میر سیف الدین ابو الحسن عبد الرحمن ختمی	" "	"	
"	شیخ محمد دہلوی	"	"	ان شرحوں کا پتہ فارسی کی دوسری شرحوں سے لگا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کس کتبخانہ میں ہیں
"	مولوی سید علی صاحب	"	"	
"	شیخ یوسف لاہوری	"	"	
"	مولوی صادق علی صاحب	مطبوعہ لکھنؤ	"	
شرح رضوی	مولانا کمال الدین احمد صاحب	قلمی کتب خانہ علیگڑھ کالج	"	نصف موجود ہے۔
بدر الشروح	مولانا بدر الدین اکبر آبادی	مطبوعہ دہلی	"	
حاشیہ	مولوی ہادی علی صاحب	" لکھنؤ	"	
"	مولوی فتح علی صاحب	" بمبئی وغیرہ	"	
شرح یوسفی	مولوی محمد یوسف علیشاہ چشتی	" لکھنؤ	اردو	
ترجمہ دیوان حافظ	منشی میرزا جان صاحب	" "	"	
شتاب شتک	کرشنا چندر موز مدار	" کلکتہ	بنگالی	
ترجمہ انتخاب دیوان	....	" لاہور	پنجابی	

ان شارحوں سے ہم کو عام شکایت یہ ہی کہ اُنھوں نے بالکل صوفیانہ مذاق کی شرحیں لکھی ہیں ادبی خوبیاں جو خواجہ کے کلام میں ہیں ان کو ظاہر نہیں کیا ہی یہ صرف خانقاہوں میں پڑھی جانے کے قابل ہیں۔

صوفیانہ کلام میں جو خوبی ہی وہ اُسی وقت تک قائم رہتی ہی جب تک کہ مجاز اور حقیقت دونوں پر منطبق ہو۔ جب اس میں سے ایک پہلو نکال ڈالا جائے تو کوئی خوبی باقی نہیں رہتی ان شارحوں نے بھی موتی کی آب چھیلنے کی کوشش کی ہی۔ جس سے آب بھی گئی اور موتی بھی خراب ہوا۔

دوسری شکایت یہ ہی کہ آسان اور غیر ضروری باتوں کی تفصیل میں تو صفحے کے صفحے سیاہ کر دیتے ہیں لیکن تاریخی اور ادبی معلومات کا مطلق پتہ نہیں ہی جس کے بغیر پڑھنے والے کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

سترہویں صدی کی ابتدا سے خواجہ کی بعض بعض غزلوں کے ترجمے یورپ کی بھی مختلف زبانوں میں نظم و نثر میں شروع ہوئے اور لوگوں نے ان کے ساتھ دلچسپی لینی شروع کی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں ولیم اوسلی۔ اور وان ہیمر وغیرہ نے جرمن اور انگریزی زبانوں میں دیوان کے ترجمے شائع کیے ولیم جونس نے کئی غزلوں کے مضامین لیکر انگریزی میں گیت بنا دیئے۔ جن میں سے "اگر آں ترک شیرازی" کا گیت نہایت دلفریب اور عام پسند ہوا اور لوگ اس کو گانے لگے اس وقت سے خواجہ کے ساتھ یورپ میں ایک عام دلچسپی پیدا ہو گئی اور تمام یورپین زبانوں میں ان کے دیوان کے ترجمے شائع ہوئے۔ اور لوگوں نے ان کے متعلق کتابیں

لکھنی شروع کیں۔

دیوان کے ترجمے اور وہ تصانیف اور مضامین جو یورپ کی مختلف زبانوں میں خواجہ کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ ان کو کون شمار کر سکتا ہے۔ ذیل میں ہم خواجہ کے کلام کے صرف اُن ترجموں کی ایک فہرست لکھتے ہیں جو انگریزی یا بعض دوسری یورپین زبانوں میں ہم کو معلوم ہو سکے۔

نام مترجم	کام کی نوعیت	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
مینِنسکی	دیوان کی پہلی غزل کا لاطینی نثر میں ترجمہ	وینا	سنہ ۱۶۶۰ء
ہائڈ	" " "	اکسفورڈ	سنہ ۱۷۶۶ء
ریوسکی	ابتدائی سولہ غزلوں کا لاطینی نثر میں	وینا	سنہ ۱۷۷۱ء
رچرڈسن	"اسپیسمین آف پرشین پوئٹری" پہلی سولہ غزلوں کا انگریزی میں	لنڈن	سنہ ۱۷۷۴ء
ولیم جونس	پورا دیوان انگریزی نثر میں	"	سنہ ۱۷۹۷ء
ولیم اوسلی	" " تین جلدوں میں	"	سنہ ۱۷۹۸ء
ولیم جونس	۷۰ غزلیں فرانسیسی نظم میں	"	...۱۷۹۹
ہنڈلی	۱۱ غزلیں انگریزی نظم میں		
وان ہیمر	پورا دیوان جرمن نظم میں		
ڈانر	" " نثر میں دو جلدوں		
"	" "		
روزنزویگ	متنِ دیوان مع ترجمہ		
نیسل مین	انتخابِ دیوان		

سنہ	مقام اشاعت	کام کی نوعیت	نام مترجم
سنہ ۱۸۷۳ء	لنڈن	نو غزلیں انگریزی نثر میں	رابن سن
سنہ ۱۸۷۵ء	"	۱۲۰ غزلیں انگریزی نظم میں	بک نل
سنہ ۱۸۹۱ء	"	پورا دیوان انگریزی نثر میں دو جلدوں میں	کپتان کلارک
	"	۱۷ غزلیں انگریزی نظم میں	جان ناٹ

اکثر انگریزی ترجمے دیکھنے میں آئے ہم نے ان کو پسند کیا مگر حقیقت یہ ہی کہ کسی زبان سے دوسری زبان میں معمولی مضامین کا ترجمہ کرنا بھی جس کو ترجمہ کہہ سکیں دشوار ہی پھر شاعری کا ترجمہ کرنا کیسے ممکن ہی۔ ترجمہ سے صرف شعر کا مفہوم ظاہر کیا جا سکتا ہی اس میں زبان کی اسلوب بیان کی الفاظ کے نشست کی جو خوبیاں ہوتی ہیں ان کا ظاہر کرنا محال ہی ہر ایک مترجم نے اس بات کا خود بھی اعتراف کیا ہی۔

انگریزی کے تمام ترجموں میں ہم کو کپتان کلارک کا ترجمہ زیادہ پسند آیا ہی وہ ... مشکل اشعار کی تشریح بھی کرتے گئے ہیں۔

... کہ حافظ کے ترجمہ میں بہ نسبت فرنچ اور انگلش کے جرمن ... س میں اس قسم کے شاعرانہ خیالات ترجمہ کرنے

خواجہ کے کلام پر ایک نظر

خواجہ کے کلام سے ہماری مراد صرف غزلیات ہیں کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ غزلوں کے علاوہ اور جو چیزیں مثلاً قصیدے۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ مغنی نامہ ساقی نامہ وغیرہ ہیں ان سب کا صحیح نسخوں میں پتہ نہیں ہو اس لیے اگر ہم زبردستی سے خواجہ کے سر اُن کو منڈھ دیں تو یہ حقیقت اور انصاف دونوں کے خلاف ہوگا۔ قطعات اور رباعیات میں الحاق اس قدر کیا گیا ہو کہ یقیناً کسی قطعہ یا رباعی کو خواجہ کی طرف منسوب کرنا مشکل ہو اگر چند رباعیاں یا قطعے ان کے مان بھی لیے جائیں تو ان سے ان کی شاعری کے رتبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اس لیے ہم ان سب کو کالعدم سمجھتے ہیں۔

خواجہ غزل گوئی کے مرد میدان ہیں۔ مرد میدان ہی نہیں بلکہ بادشاہ اس لیے ہم صرف ان کی غزل پر ایک نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے نفس شاعری کے متعلق بھی کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔

شعر کی تعریف یہ ہو کہ جذبہ کا احساس ایسے لفظوں میں ا...
سننے والے کے اسی جذبہ کو ویسا ہی ہیجان ہو جیسا خ...
کی مثال بعینہ مصوّر کی ہو۔ فرق صرف اس ...
تصویر کھینچتا ہو اور شاعر خیالات ...
لیکن خیالات محض ...
واقعیت نہ ہو یا کم ...

دونوں باتیں نہیں ہیں یعنی نہ وہ کلام کسی واقعی جذبہ کی آواز ہی نہ اُس آواز سے مشابہ ہی تو وہ شعر نہیں ہی۔

شاعری کسبی چیز نہیں ہی۔ شاعر اپنی شاعری خدا کے گھر سے لاتا ہی عربی میں مثل ہی۔
"الشعراء تلامیذ الرحمٰن"

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(کلمات کو اُلٹ پھیر کر موزوں کر لینا اور اسی روش کے اشعار کہہ لینا بلکہ ان سے اچھے استعارات اور تشبیہات پیدا کر لینا جو حقیقی شعرائے کے کلام میں ہوتے ہیں آسان ہی ہر شخص تھوڑی سی کوشش سے کر سکتا ہی۔ لیکن اس قسم کے کلام میں جو بظاہر شاعری کے تمام فنون عروض۔ قافیہ۔ بدائع وصنائع وغیرہ سے مزین و مرصع ہوتے ہیں اور اصلی شاعری میں وہی فرق ہی جو مصنوعی بھڑکیلے چمکیلے ناواقفوں کی نگاہوں کو دھوکا دینے والے آبگینوں اور اصلی جواہرات میں ہوتا ہی۔

خواجہ حافظ نے خود اسی بات کو ایک شعر میں صاف طور پر کہا ہی ؎

... کہ خوانی استادگر بنگری بہ تحقیق   صنعتگر ست اما شعر رواں ندارد

... کہتے ہو اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھو تو وہ صنعتگر ہے فطری شاعر نہیں۔

... ۵۔ الفاظ کی نزاکت۔ لفظی رعایت۔ اور صنائع اور بدائع
... اضافی زیب و زینت ہیں اس کی حقیقت میں
... کہ ایسی تصویر کھینچی جائے کہ الفاظ سے
... ارغوانی شراب دور

ارسطو نے وزن کو شاعری کا جزو قرار نہیں دیا ہی لیکن اس نے وسیع معنی میں اسکو استعمال کیا ہی حقیقت یہ ہی کہ شاعری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر اپنے جذبات میں خود محو نہ ہو جائے بلکہ ان پر قابو رکھے اور دوسروں کو ان سے متاثر کرے۔ یہ شاعری کی اعلیٰ قسم ہی اس کا نام خطابت (لکچر یا اسپیچ دینا) رکھا گیا ہی۔ دوسری یہ کہ وہ اپنے جذبہ کے جوش میں وجد کرے مست ہو جائے اس کا نام شاعری ہی اس میں وزن ضروری ہی۔ کیونکہ مقفّٰی اور موزوں ہو جانے سے کلام کی تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے۔

جذبات کا احساس کس کو نہیں ہوتا اور ہر شخص ان کو ادا بھی کرتا ہی لیکن شاعر کا احساس زیادہ نازک اور لطیف ہوتا ہی اور وہ اس کینڈے سے ادا کرتا ہے جس سے سننے والے پر اثر پڑتا ہی۔

شاعری کا اصلی راز اسلوب بیان میں مخفی ہی۔ وہی بات ایک شخص کہتا ہی کہ اس میں کوئی خوبی نہیں ہوتی۔ اسی کو جب شاعر کہتا ہی تو طبیعت وجد کرنے لگتی ہی۔

خواجہ فطرتی شاعر ہیں۔ وہ اگرچہ اپنے حقیقی جذبات کو مجازی استعاروں اور تشبیہوں میں ادا کرتے ہیں لیکن جو کچھ کہتے ہیں وہ واردات قلبی ہیں۔ یعنی "حال" ہی "قال" نہیں۔ فرماتے ہیں ؎

بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود   این ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

بلبل نے گل کے عشق میں ترانہ ریزی سیکھی ورنہ یہ زمزمہ اور نغمہ اسکی چونچ میں جڑا ہوا نہ تھا

ایک جگہ کہتے ہیں ؎

نکتہ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار   عشوۂ فرمائے تا من طبع را موزوں کنم

میں سنے بے سمجھے بات کہدی جانِ من معاف کر ایک عشوہ دکھلادے کہ میں اپنی طبیعت کو موزوں کر لوں

الغرض خواجہ کے تمام شاعرانہ جذبات فطرتی ہیں۔ ان کا کلام شاعری کا بہترین نمونہ ہے جدت۔ جوش۔ بلندی۔ غرض جس قدر خوبیاں کلام میں ہونی چاہئیں اس میں بدرجہ کمال موجود ہیں۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ چند مثالیں ان کے کلام سے پیش کرتے ہیں۔

جدّت شعراء قلقل مینا کی آواز سنکر یا کالی کالی گھٹاؤں کو دیکھکر توبہ توڑتے ہیں حافظ کی جدت دیکھیے ؎

بتے چوں ماہ زانو زدہ مے چوں لعل پیش آورد ‏ ‏ ‏ ‏ تو گوئی تائبم حافظ زساقی شرم دار آخر

حسین۔ چاند جیسا حسین سامنے انداز سے دو زانو ہو کر شوخی آمیز ادب کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اور سرخ شراب لعل جیسی سرخ شراب پیش کرتا ہے۔ اس وقت حسن پرست میخوار جو ناصحوں کے کہنے سننے سے توبہ کر چکا ہے بے تاب ہو جاتا ہے خیالات میں کشمکش پیدا ہوتی ہے کبھی توبہ کا خیال آتا ہے۔ ناصحوں کی باتیں یاد آتی ہے کبھی اس دلفریب اور دلکش منظر کو دیکھکر خواہش جوش مارتی ہے کہ پی لے۔ آخر اپنے آپ کو اس طرح مخاطب کر کے فیصلہ کرتا ہے۔

تو گوئی تائبم حافظ زساقی شرم دار آخر

حافظ کو یہ بات کھلتی ہے کہ لوگ بیگناہ شراب خواروں کو ستاتے ہیں اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

بہر یک جرعہ کہ آزار کسش در پے نیست ‏ ‏ ‏ ‏ زحمتے میکشم از مردم ناداں کہ مپرس

ایک چلھے کے پیچھے جس سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی بیوقوف آدمی (واعظ) سے ایسی زحمت اُٹھانی پڑتی ہے کہ نہ پوچھئے

ایک اُردو شاعر نے بھی خوب کہا ہے ؎

واعظ شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں   کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا

یہ بات کہ میں ہی تیرا عاشق نہیں ہوں بلکہ سینکڑوں تجھ پر فریفتہ ہیں اس انداز سے کہتے ہیں ؎

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و بس   کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

صرف میں ہی اس پھول سے رخسار پر غزل سرائی نہیں کرتا ہوں بلکہ چاروں طرف سے ہزاروں بلبلیں اس پر چہک رہی ہیں

ان کے تمام شعروں میں جدت ہے۔ معمولی سی بات کو بھی وہ اس انداز سے کہتے ہیں کہ بیساختہ وجد کرنے کو جی چاہتا ہے۔

یہ خیال کہ واعظ دوسروں کو جس بات سے منع کرتا ہے خود اُس کو کیوں کرتا ہے ایک معمولی خیال ہے وہ اس کو کس لطیف پیرائے میں کہتے ہیں ؎

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس   توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند

مجھے ایک مشکل آن پڑی ہے ذرا محفل کے عالم سے پوچھ دو کہ جو لوگ توبہ کا حکم دیتے ہیں وہ خود توبہ کیوں نہیں کرتے

اس میں جدت کے ساتھ بے انتہا شوخی اور ظرافت بھی ہے۔ "مشکلے دارم" سے اس بات کا اظہار ہے کہ ہم نہایت نیک اور سادہ دل ہیں کہ اس قسم کی فریب کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اس لیے مشکل میں پڑے ہوئے ہیں اور پھر خود نہیں پوچھتے بلکہ دوسرے سے کہتے ہیں کہ پوچھ دے تاکہ خود تماشہ دیکھیں اور اس پر طرہ یہ کہ اسی شخص سے یہ مشکل حل کراتے ہیں جس کے اندر یہ عیب ہے یعنی واعظ سے۔

بلندی: خواجہ کے اشعار موزر بندوق سے مشابہ ہیں جو دیکھنے میں خوبصورت نظر آتی ہے اور انسان کو وہم بھی نہیں گزرتا کہ یہ خوشنما زیور بڑے بڑے شیروں کو ہزار گز

دور ہی سے ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ ان کے اشعار کی لطافت اور نزاکت کو دیکھکر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان میں زبان ہی کا ذائقہ اور شیرینی ہے لیکن جب معانی کی طرف خیال کیجئے تو بے انتہا بلند ہوتے ہیں۔ مثلاً ؂

شکرایزد کہ میان من و او صلح افتاد   حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

خدا کا شکر ہے کہ میرے اور اُس کے درمیان میں صلح ہو گئی   حوروں نے ناچتے ہوئے شکرانہ کے پیالے پیئے

اپنی اور معشوق کی صلح کو کس قدر اہم کر دیا یعنی گویا اس صلح کا زمین کو۔ آسمان کو یہانتک کہ حوروں کو بھی انتظار تھا اگر نہوتی تو خدا جانے کیا انقلاب عظیم ہو جاتا حوریں ہمہ تن منتظر کھڑی دیکھ رہی تھیں اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ ہمارے درمیان میں صلح ہو گئی تو گائیں اور ناچیں اور شکرانے کے ساغر پیئے۔

سلاست کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ سلیس اور آسان ہو مشکل سے مشکل اور باریک سے باریک مضامین مختصر اور عام فہم عبارت میں ادا کر دیئے جائیں۔ کلام میں اشکال۔ گنجلک یا تعقید کا واقع ہونا در اصل اس کے متکلم کی ناقابلیت کی دلیل ہے جو لوگ مشکل الفاظ اور استعارے استعمال کر کے اپنے کلام کو مغلق بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ بلغاء اور فصحاء کے نزدیک گونگے ہیں کہ اس پردہ میں اپنے عیب کو چھپاتے ہیں۔

ہندوستان میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ اس قسم کے مغلق کلام کو لوگ کہتے ہیں کہ بلیغ ہے۔ حالانکہ بلاغت سے وہ کوسوں دور ہے۔ کسی کلام کے بلیغ ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سلیس اور عام فہم ہو کیونکہ بلیغ کلام کی تعریف یہ ہے کہ "وہ فصیح کلام جو مقتضائے حال کے مطابق ہو" یعنی اس میں کوئی لفظ نامانوس نہو۔ اس کی ترکیب میں گنجلک اور تعقید نہ واقع ہو اور جس قسم کا موقع ہو اُسی قسم کے

الفاظ استعمال کیئے جائیں تاکہ جذبہ یا مافی الضمیر کا صحیح صحیح اظہار ہو نہ کہ کلام چیستان بنایا جائے۔

قدماء کے کلام میں بالعموم سلاست پائی جاتی ہے۔ سعدی اور حافظ نے تو اپنے کلام کو پانی کر کے رکھدیا ہے۔ حافظ نے اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات کو اپنے اشعار میں ادا کیا ہے۔ لیکن کہیں اشکال یا اغلاق ان کے کلام میں نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ ان کے اشعار کے مضامین کی بلندی تک آدمی اپنی نااہلیت سے نہ پہنچ سکے لیکن انکے الفاظ وہاں تک پہونچانے میں مساعدت کرنے سے کوتاہی نہیں کرتے۔

حافظ کے کلام کی یہ عجیب خوبی ہے کہ وہ اس قدر لطیف اور سلیس ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی آسانی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن اس کے معانی کے تہ تک بڑے بڑے اہل کمال بھی مشکل سے پہنچتے ہیں۔

ان کی صوفیانہ غزلیں مثلاً۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

یا یہ غزل

زاہد خلوت نشین دوش بہ میخانہ شد — از سر پیماں گذشت و بر سر پیمانہ شد

ہر کس و ناکس کے لیے دلکش ہیں۔ حالانکہ اس کے حقیقی مفہوم کے چہرہ سے پردہ اُٹھانے والے بہت کم لوگ ہیں۔

شوخی وظرافت شاعری اور خاصکر غزل گوئی کا بڑا عنصر رندی ہے شاعر آزادی پسند ہوتا ہے اس لیے وہ ان لوگوں سے جو اسکی آزادی اور رندی میں مخل ہوں جلتا ہے۔ ان کو اپنا مخالف اور اپنے مقاصد میں سدراہ سمجھتا ہے۔ اور اُن کی برائیاں

کرتا ہی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ شاعر واعظ۔ محتسب ناصح۔ زاہد وغیرہ کا جو اس کو روکتے ہیں اور منع کرتے ہیں دشمن ہو اور ان کے مخفی عیوب کو فاش کرے۔ ان لوگوں کے مخفی عیوب مکاری اور ریاکاری وغیرہ ہیں۔ ظاہری تقوے کے آڑ میں اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور زہد کے لباس میں فریب دیکر عوام کو لوٹتے ہیں۔

ریاکار۔ مکار ہر زمانہ اور ہر قوم میں ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایسے لوگ بیشتر بہت کم تھے چھٹی صدی سے یہاں بھی یہ جماعت بڑھنے لگی مولانا روم نے ان سے لوگوں کو خبردار کیا ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔۔۔ پس بہر دستے نباید داد دست

سعدی نے اپنی تصنیفات میں کئی ایسے ریاکار زاہدوں کے قصے بیان کیے ہیں اور غزلوں میں بھی ریاکاری وغیرہ کی قلعی کھولی ہی۔ مگر حافظ نے اس کو انتہا پر پہنچا دیا۔ کہتے ہیں ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند ۔۔۔ چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

آں کے اشارہ میں کتنی شوخی ہی یہ نہیں کہتے کہ کونسا کام بلکہ اشارہ کرتے ہیں کہ "وہ کام" گویا متکلم اور مخاطب اس کام کو پہلے ہی سے جانتے ہیں اور وہ ایسا کام ہی کہ لوگوں کے سامنے اس کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا ایک جگہہ کہتے ہیں ؎

من ایں مرقع پشمینہ بہر آں دارم ۔۔۔ کہ زیر خرقہ کشم مے کس ایں گماں نبرد

میں یہ پیوند لگا ہوا اونی خرقہ اسلیئے پہنتا ہوں کہ اسکے نیچے شراب چھپا کر پیوں اور کسی کو گمان بھی نہ ہو

ریاکار صوفی صوف کا جبہ پہنکر عوام میں اپنا تقدس ظاہر کرتا ہی اور در پردہ ایسے ایسے گناہ کرتا ہی کہ جس کا لوگ اس پر گمان بھی نہیں کر سکتے اس کی حالت کو خود اپنی حالت قرار دیکر بیان کرنا نہایت درجہ کی ظرافت ہی۔

حافظ نے جہاں بھی ان پر چوٹ کی ہی ایسی ظرافت اور شوخی کے ساتھ کی ہی کہ ان شعروں کے حسب حال جو واعظ یا صوفی ہوں وہ بھی اگر سُنیں تو ایک دفعہ ان کو مزا آجائے بخلاف اس کے اردو کا شعر ملاحظہ ہو جو ایک نہایت مشہور شاعر کا ہی ؎

اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت — اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار

بزرگ اور وہ بھی خضر صورت بزرگ جوتے نہیں چرایا کرتے۔ اُردو شاعر کے نزدیک گویا ہر قسم کے عیوب واعظوں بزرگوں اور صوفیوں میں ہوتے ہیں یہانتک کہ اس نے جوتے چرانے تک کا الزام بھی ان پر لگا دیا۔

عشق و مستی — خواجہ کی اصلی شاعری کا خمیر عشق اور سرمستی ہی ان کے اوپر یہ جذبہ اسقدر غالب ہی کہ جھومنے لگتے ہیں۔ وجد میں آکر ناچتے ہیں۔ ہاتھ جھٹکتے ہیں۔ پاؤں پٹکتے ہیں۔ ان کے مستانہ اشعار سنئے۔

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
چو در دست رود ے خوش بزن مطرب سرود خوش — کہ دست افشاں غزل خوانیم و پاکوباں سر اندازیم
یکے از عقل مے لافد یکے طامات مے بافد — بیا کیں داوریہا را بپیش داور اندازیم
بیا جاناں منور کن ز روئیت مجلس ما را — کہ در پیشت غزل خوانیم و در پایت سر اندازیم

ایک دوسری غزل میں کہتے ہیں۔

رقص بر شعرِ تر و نالۂ نے خوش باشد   خاصہ رقصے کہ در و دست نگارے گیرند

جوشش خواجہ نے رندی اور میخواری کے متعلق اس قدر پُر جوش اشعار لکھے ہیں کہ تمام فارسی شاعری میں اس کی نظیر نہیں ملسکتی مثلاً ؎

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود   سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود

جب تک شراب خانہ اور شراب کا نام باقی رہیگا اس وقت تک ہمارا سر پیر مغاں کی خاک راہ بنا رہیگا

ایک دوسری غزل میں کہتے ہیں ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را   خاک بر سر کن غمِ ایام را
گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں   ما نمے خواہیم ننگ و نام را

ایک جگہ کس جوش کے ساتھ کہا ہے ؎

من ترکِ عشق بازی و ساغر نمے کنم   صد بار توبہ کردم و دیگر نمے کنم

میں عشق بازی اور شراب خواری کو نہ چھوڑوں گا۔ سو بار توبہ کر چکا اب نہ کروں گا۔

دنیا کی بے ثباتی کی حقیقت ان پر ایسی کھل گئی تھی کہ وہ اس کے جاہ و جلال کو ہیچ سمجھتے تھے اور بادشاہوں کی شوکت و حشمت ان کی نگاہ میں بچوں کا کھیل تھی اس مضمون کو بھی بڑے جوش کے ساتھ بیان کرتے ہیں ؎

کہ برد بہ نزدِ شاہاں زمنِ گدا پیامے   کہ بہ کوئے مے فروشاں دو ہزار جم بجامے

بادشاہوں کے پاس یہ میرا پیام کون پہنچاتا ہی کہ میفروشوں کی گلی میں دو ہزار جمشید ایک پیالے پر بکتے ہیں

بیفشاں جرعہ بر خاک و حالِ اہلِ دولت بیں   کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد

ایک جلو خاک پر چھڑک دو اور بادشاہوں کا حال دیکھو کہ جمشید اور کیخسرو کے ہزاروں قصے بیان کرتی ہے

نقشہ کھینچنا خواجہ کیفیات اور جذبات کا نقشہ خوب کھینچتے ہیں۔ اس موقع پر مجھے

ایک واقعہ یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں عبد الغفور نامی ایک کشمیری نوجوان نہایت خوبصورت اور حسین ہمارے ساتھ پڑھتے تھے سخن فہمی کا صحیح مذاق رکھتے تھے اور ذہین اور طباع آدمی تھے عربی شعرا میں سے ابو نواس کی جدت طرازیاں انکو بہت پسند تھیں اور حافظ کو تو تمام دنیا کے شاعروں سے بہتر خیال کرتے تھے ایک دن کچھ شعر و شاعری کا تذکرہ تھا کہنے لگے کہ حافظ اپنے جذبات کی جیسی تصویر کھینچتا ہے ایسی کوئی کیا کھینچے گا دیکھیے کیا خوب کہتا ہے ؎

سر درس عشق دارد دل دردمند حافظ — کہ نہ خاطر تماشا نہ ہوائے باغ دارد

حافظ کا دردمند دل عشق ہی کا سبق رٹنا چاہتا ہے اس کو نہ سیر کا خیال ہے نہ باغ کی خواہش ہے

بیدلی کی حالت میں تماشہ اور سیر باغ کی خواہش کا نہ ہونا اور عشق میں محو پڑے رہنا کسقدر فطرتی امر ہے اور عاشق کے استغراق کی کیسی سچی تصویر ہے۔

معشوق کی شوخی اور خرام ناز کی کیا عمدہ تصویر کھینچی ہے ؎

آن لعل دلکش بین و آن خندہ پر آشوب — آن رفتن خوشش بین و آن گام آرمیدہ

اسکے دلکش سرخ لب اور اسکی شور انگیز ہنسی دیکھو — خرام ناز اور اس کا آہستہ آہستہ قدم اٹھانا دیکھو

اس شعر میں معشوقانہ تمکنت کا کس خوبصورتی کے ساتھ نقشہ کھینچا ہے ؎

ہزار دیدہ بروئے تو ناظرند و تو خود — نظر بروئے کسے بر نمی کنی از ناز

ہزار آنکھیں تیرے چہرے کو دیکھ رہی ہیں اور تو خود ناز سے کسی کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا

میں نے کہا کہ فرزدق نے بھی اسی مضمون کا خوب شعر کہا ہے۔

یغضی حیاءً ویغضیٰ من مہابتہ — فما یکلم الا حین یبتسم

وہ حیا سے آنکھیں نیچی رکھتے ہیں اور لوگ ان کے رعب سے اور جب وہ باتیں کرتے ہیں تو مسکراتے ہوئے

کہنے لگے رعب اور چیز ہی اور معشوقانہ ناز اور شی ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ حافظ کا شعر بہت بلند ہی فرزدق کے شعر سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ممدوح کے رعب سے لوگ نگاہیں نیچی کیئے ہوئے ہیں اور حافظ کا معشوق اس قدر دلکش ہی کہ نگاہ اس سے ہٹ ہی نہیں سکتی۔ پھر اسی شعر کو پڑھکر جھومنے لگے میں نے کہا کہ حافظ نے بہت سچ کہا ہی

شعر حافظ شیراز میر قصند و مے نازند سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

حافظ شیراز کے شعروں پر ناچتے ہیں اور ناز کرتے ہیں کشمیر کے کالی آنکھوں والے اور سمرقند کے ترک

چونکہ وہ بھی "سیہ چشمان کشمیری" میں داخل تھے اس لیے بہت جھینپے۔ اس وقت تو یوں ہی بات کو ٹالدیا مگر دوسرے دن اس کا بدلہ لیا۔ بات یہ ہوئی کہ میرے یہاں کوئی تقریب تھی اور میرے دوست کو مٹھائی بہت پسند تھی میں نے انکو مٹھائی بھیجی آپ نے رسید میں یہ شعر لکھ بھیجا

شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا تفقدے نکند طوطئ شکر خارا

صنائع بدائع یہ ایک مرض ہی جو شعراء کو اکثر لاحق ہو جاتا ہی اور اس سے ان کی نفس شاعری بہت کمزور ہو جاتی ہی۔ بڑے بڑے شعراء مثلاً خسرو اور سلمان ساوجی بھی اس کو نہیں نباہ سکے ہیں اور اس کی بدولت ان کی شاعری میں نقائص پیدا ہو گئے ہیں۔ خواجہ کے یہاں بھی صنائع بدائع بہت کثرت سے ہیں۔ لیکن ان کی شاعری کا زیور بن گئے ہیں۔ مثلاً

گدائے کوئی تو از ہشت خلد مستغنی است اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است

اس میں صنعت تضاد ہی۔ گدا و مستغنی۔ اسیر و آزاد متضاد۔ الفاظ ہیں۔

احرام چہ بندیم کہ آں قبلہ نہ اینجاست در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت

اس میں صنعت مراعات النظیر ہی۔ احرام۔ قبلہ۔ سعی۔ صفا و مروہ سب الفاظ ایک ہی چیز یعنی حج کے متعلق ہیں۔ اور سعی جو ایک رکن کا نام ہی۔ اس کے لفظی معنی بھی کوشش کے ہیں۔ صفا و مروہ ان دو پہاڑوں کا نام ہی۔ جن پر سعی ہوتی ہی اور صفا کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں جو یہاں پر مراد لیے گئے ہیں غور سے دیکھئے تو اس شعر میں کئی صنعتیں ہیں۔

علاوہ بریں لفظی صنائع تجنیس وغیرہ بھی ان کے کلام میں بہت ہیں۔

عربیات حافظ کے دیوان میں کئی سو اشعار خالص عربی کے ہیں جو انہیں کے کہے ہوئے ہیں اور جن سے ان کی کمال عربی دانی کا ثبوت ملتا ہی۔ قران کی آیتوں کو اس خوبصورتی سے شعر میں داخل کر دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہی کہ کسی زیور پر ہیرا جڑ دیا گیا مثلاً ؎

بہ حسن عارض و قدِ تو بردہ اند پناہ　　بہشت و طوبے۔ طوبے لہم و حسن مآب

تیرے رخسار اور قد کے حسن میں بہشت و طوبیٰ نے پناہ لی خوشخبری ہو ان کو ان کا ٹھکانا بہت اچھا ہی

طوبیٰ لھم و حسن مآب آیت ہی اور کس موقع سے اس کو لائے ہیں!!۔

اس شعر میں دوسرا مصرعہ قران کی آیت ہی۔

شب وصل است و طے شد نامہ ہجر　　سلٰم ھی حتّٰی مطلع الفجر

وصل کی رات ہی اور ہجر کا زمانہ گزر گیا صبح کے نکلنے تک امن ہے

کہیں حدیث اور ضرب المثل لاتے ہیں مثلاً ؎

بصوتِ بلبل و قمری اگر نہ نوشی مے　　علاج کے کنمت آخر الدّواء الکے

بلبل اور قمری کی آواز پر اگر تم شراب نہ پیو گے تو میں داغ کر تمہارا علاج کرونگا آخری علاج داغنا ہی

"آخر الدّواء الکے" صحیح حدیث ہی ؎

ہر چند آزمودم ازوے نبود سودم مَن جَرَّبَ المجرَّب حَلت بہ الندامۃ

جس قدر بھی میں نے آزمایا مجھے اس سے نفع نہیں ہوا جو شخص آزمائی ہوئی چیز کو آزماتا ہی پشیمان ہوتا ہی

دوسرا پورا مصرعہ ضرب المثل ہی۔

خواجہ کی پہلی غزل کے اس مصرعہ پر

متے مَاتلق من تھوی دع الدنیا و اَمُہِلُہَا

مولانا آزاد بلگرامی اعتراض کرتے ہیں کہ جب شرط کی جزا۔ امر۔ نہی یا جملہ اسمیہ ہو تو عربی قاعدہ کے مطابق اس پر ف کا لانا ضروری ہی یعنی "فدع" ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس پر دست اصلاح بھی صاف کیا ہی اور اس طرح بنایا ہی۔

دع الدنیا متے مَاتلق من تھوی وَاُمہِلہَا

کیونکہ جزا کے مقدم کرنے سے ف کا لانا ضروری نہیں رہتا۔

ہم اس پر اچھی طرح بحث کرتے مگر حافظ کی روح کہیگی کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ بُرد" اصلیت یہ ہی کہ بہت سی ایسی باتیں جو دوسروں کے لیے جائز نہیں ہوتی ہیں شعرا کے لیے جائز ہوتی ہیں رضی وغیرہ نے مذکور بالا قاعدہ کے ذیل میں شعرا کے لیے اس کو مباح کیا ہی اور ایسی مثالیں خود عربی شعرا کے اشعار سے پیش کی ہیں۔

پاکیزگی | خواجہ کے دو صدی پیشتر سے فارسی شعرا کو ہزلیات اور فحش ہجویات کہنے کی عادت پڑ گئی تھی اور یہانتک یہ بات عام ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے اہل کمال اس کے مرتکب ہوتے تھے اور ان کے دامن کمال پر اس سے کوئی دھبہ نہیں آتا تھا ابوالعلائی گنجوی۔ حکیم انوری۔ حکیم سوزنی۔ یہانتک کہ حکیم سنائی بھی اس سے نہیں بچ

سب تو سب شیخ سعدی جیسا اخلاق کا معلم اور دنیا کا ناصح بھی اپنا جبہ و دستار پھینک کر اس دریا میں بے خوف کود پڑا اور وہ وہ کرشمے دکھائے کہ اللہ کی پناہ

مگر ایک خواجہ ہیں جن کا کلام ان لغویات سے بالکل پاک ہی جو ان کے کمال متانت اور سنجیدگی کی دلیل ہی۔ یہانتک کہ ان کے کلام میں کوئی مکروہ اور کثیف لفظ تک نہیں آیا فیضی اپنے کلام کی پاکیزگی کا دعوی کرتے ہوئے کہتا ہی۔ ؎

بداں مے ماند ایں پاکیزہ گفتار   کہ در دیوان حافظ نام سگ نیست

شیخ محمد یحییٰ لکھتے ہیں کہ غالباً فیضی کی نظر سے خواجہ کا یہ شعر نہیں گذرا۔

شنیدہ ام کہ سگاں زاقلادہ می بندی   چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے

مگر ہمارے پاس دیوان کے جسقدر نسخے ہیں ان میں سے صرف ایک نسخہ میں یہ شعر ہم کو ملا ورنہ ہر ایک میں مقطع اس طرح پر ہی ؎

مزاجِ دہر تبہ شد دریں بلا حافظ   کجاست فکرِ حکیمے و رائے برہمنے

وہ مقطع دراصل امیر خسرو کا ہی۔

تصوّف

انسان اپنی انتہائی علمی کوشش سے اس نتیجہ پر پہونچا ہی کہ اس کو عالم موجودات کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی۔ بڑے بڑے فلسفیوں نے آخر میں مجبور ہو کہا کہ ۔ع

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

خواجہ نے بھی اسی مضمون کو جابجا بیان فرمایا ہی۔ ؎

برو اے زاہد خود بیں کہ ز چشم من و تو — راز ایں پردہ نہان ست و نہاں خواہد بود

چل اے زاہد خود بیں کہ میری اور تیری دونوں کی نگاہوں سے اس پردہ کا راز پوشیدہ ہے اور پوشیدہ رہیگا

دوسرا شعر ہے

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود — گر تو سر گشتہ شوی دائرۂ امکاں را

وجود کے اسرار کی ایک رمز سے بھی تو واقف نہیں ہو سکتا۔ چاہے تمام عالم کا چکر لگا آئے

خود اپنی ہی خبر نہیں کہ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جائیں گے؟ خواجہ کہتے ہیں

عیاں نہ شد کہ چرا آمدم؟ کجا بودم — دریغ و درد کہ غافل ز کار خویشتنم

معلوم نہ ہوا کہ میں کیوں آیا؟ اور کہاں تھا؟ افسوس ہے کہ اپنے ہی معاملہ سے بے خبر ہوں

دوسری جگہ کہا ہے

وجود ما معمائیست حافظ — کہ تحقیقش فسونست و فسانہ

اے حافظ ہمارا وجود بھی ایک معما ہے جس کی حقیقت کا دریافت کرنا کوشش بے سود ہے

ایک غزل میں فرماتے ہیں

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست — کہ من خموشم و او در فغان و در غوغا ست

مجھے معلوم نہیں کہ مجھ خستہ دل کے اندر کون ہے کہ میں تو خاموش ہوں لیکن وہ شور و فریاد مچا رکھا ہے

اصلیت یہ ہے کہ عالم موجودات کی حقیقت اور اس کے اسرار کا علم انسان کی عقل کی دسترس سے بالاتر ہے۔ لیکن اگر کچھ اس کا پتہ چل سکتا ہے تو صرف تصوف سے۔ اس لیے کہ ریاضت روحانی اور مجاہدہ باطنی سے دل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے اور اس میں اسرار کائنات کا عکس خود بخود جلوہ نما ہونے لگتا ہے۔ فلسفہ یا اور کسی

کتابی علم سے اس کی تحصیل ممکن نہیں ہی۔ خواجہ فرماتے ہیں ؎

بشو اوراق اگر ہم درس مائی　　　کہ علم عشق در دفتر نباشد

اگر تم ہمارے ہم سبق ہونا چاہتے ہو تو کتابوں کو دھو ڈالو۔ کیونکہ تصوف کا علم کتابوں میں نہیں ہوتا

گو ذوقی اور وجدانی سہی۔ لیکن علم و معرفت کا یہی ایک ذریعہ ہی۔ دنیا کے اکثر بڑے بڑے لوگ اسی شاہراہ پر چلے ہیں۔ اور اُنھوں نے یقین کیا ہی کہ انسان کے اندر ایک باطنی شعبہ ایسا موجود ہی کہ اس کو ریاضت روحانی سے ترقی دیکر وہ معرفت کے اسرار تک پہنچ سکتا ہی خواجہ کہتے ہیں ؎

ہر کہ شد محرم دل در حرم یار بماند　　　وآنکہ ایں کار ندانست در انکار بماند

جو شخص اپنے دل کا رازداں ہو گیا وہ یار کے کوچہ میں پہنچ گیا۔ اور جو اس سے واقف نہوا وہ انکار ہی کرتا رہا

اگر ایک شخص ماونٹ ایورسٹ پر کھڑا ہو کر عالم کو مخاطب کرے۔ بلند آسمانوں سے چمکتے ہوئے ستاروں سے۔ اونچے ہمالہ سے۔ لمبی چوڑی زمین سے۔ گہرے اور وسیع سمندر سے دریافت کرے کہ تم کیا ہو؟ تمھاری ہستی اور حقیقت کیا ہی؟ تو اسے کوئی جواب نہیں ملے گا۔ لیکن اگر وہ آنکھیں بند کر کے خود اپنے دل میں غور کرے تو اسی میں کچھ بند سوتے ایسے ملیں گے جن سے علم حقیقی کا آب حیات حاصل ہو سکتا ہی۔ اور کچھ گرہیں ایسی پائیگا جن کے کھولنے سے اصلیت کا سراغ لگ سکتا ہی۔ بس صوفی کا یہ کام ہی کہ ان سوتوں کو نکالے اور ان دل کی بندھی ہوئی گرہوں کو کھولے خواجہ فرماتے ہیں ؎

گرہ ز دل بکشا وز سپہر یاد مکن　　　کہ فکر ہیچ مہندس چنیں گرہ نکشاد

اپنے دل کی گرہ کھولو اور آسمان کا ذکر نہ چھیڑو کیونکہ کسی مہندس کی فکر اس گرہ کو نہیں کھول سکی ہی

اور یہ دل کی گرہیں کس طرح پر کھل سکتی ہیں؟ صرف عشق کے ناخن سے خواجہ فرماتے ہیں ؎

دلم خزانۂ اسرار بود۔ دست قضا　　درش بہ بست کلیدش بدلستانے داد

میرا دل اسرار کا خزانہ ہی لیکن خدا نے اس پر قفل لگا کر اس کی کنجی ایک معشوق کے حوالہ کر دی ہے

اس معشوق کا ملنا کچھ ناممکن نہیں ہی۔ اگر انسان ہمت کرے اور توفیق اسکی رہبر ہو تو اسکا جلوہ نظر آجاتا ہی خواجہ نے کہا ہی ؎

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے　　غبار رہ بنشان تا نظر توانی کرد

حسن یار بالکل بے نقاب اور بے پردہ ہی راستہ سے غبار صاف کرو نظر آنے لگے گا

ایک دوسری غزل میں کہا ہی ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

عاشق اور معشوق میں کوئی شئی حائل نہیں ہی۔ حافظ تو اپنا پردہ آپ بنا ہوا ہی درمیان سے اُٹھ جا

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غبار راہ سے کیا مراد ہی۔ یعنی "خودی" اگر انسان خودی کو ترک کر دے تو جمال یار بے حجاب اُس کو نظر آنے لگے۔

خودی کیا ہی؟ اس کے سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہی۔

موجودات عالم میں انسان اپنے آپ کو سب سے اشرف سمجھتا ہی اور ہی بھی درحقیقت۔ مگر اس کے اشرف ہونے کی عام طور پر یہ وجہ خیال کی جاتی ہی کہ جمادات بناتات اور حیوانات میں انسان کی طرح نہ عقل ایجاد ہی۔ نہ تمدن ہی۔ اس لیے انسان سب سے برتر ہی اور تمام عالم کا بادشاہ ہی۔

لیکن اہل دل کے نزدیک انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے وجوہ یہ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں یعنی عقل ایجاد اور تمدن انسان کے انہیں جذبات کے خدمتگزار ہیں جو جماداتی یا نباتاتی یا حیوانی ہیں۔ فرض کرو کہ بادشاہ نے ایک عالی شان محل بنایا ہر قسم کے آرائشی ساز و سامان اور زریں آلات و فروش سے آراستہ کیا۔ طرح طرح کے

نقش و نگار اور بیل بوٹے بنائے۔ قسم قسم کے پھول لگائے۔ بجلی کے چراغ روشن کئے اور شان و شوکت کے ساتھ اس میں جلوس فرمایا۔ اور فقیر آسمان کی چھت کے نیچے ویران بیابان میں فرش خاک پر بیٹھا۔ تو اس سے بادشاہ کی انسانیت میں کیا اضافہ ہوا۔ اور فقیر کی انسانیت میں کیا کمی آئی؟ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ بادشاہ کے حیوانی جذبات عیش پسندی۔ خود بینی اور غرور و ناز میں اور زیادتی ہو گئی۔ اب اگر اس سے یہ اضافی کر و فر اور ساز و سامان چھین لیا جائے تو اسکی روح کو قلق ہوگا۔ وہ غریب تو اور کانٹوں میں الجھ گیا۔ اور فقیر پھر بھی آزاد رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت کا درجہ ان چیزوں سے بلند ہے۔ اسکی ابتدا در اصل عشق حقیقی سے شروع ہوتی ہے۔ خواجہ کہتے ہیں ؎

بر در میخانۂ عشق اے ملک تسبیح گوئے ۔۔۔ کاندر آنجا طینت آدم مخمر می کنند

اے فرشتہ عشق کے میخانہ کے دروازہ پر بیٹھکر تسبیح پڑھ۔ کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آدم کا خمیر تیار کیا جاتا ہے

ہر قسم کے طبعی جذبات۔ اور تمام مادی کثافتیں جو دنیا کی کسی چیز میں ممکن ہیں سب انسان کے اندر موجود ہیں۔ اور عقل۔ علم۔ جماعت کا اثر۔ سلطنت کا قانون کوئی چیز بھی ان کثافتوں سے اسکو پاک نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر کوئی شئ اُسے پاک کرنے کے لیے ہے تو صرف عشق ہے۔ یہی وہ بھٹی ہے جس میں جلکر انسان خالص کندن ہو جاتا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ جمادات۔ نباتات اور حیوانات کو تو کیا فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں ؎

جلوہ کرد رخش دید ملک عشق نداشت ۔۔۔ عین آتش شد ازیں غیرت و بر آدم زد

اسکے چہرے نے جلوہ دکھلایا۔ دیکھا کہ فرشتہ میں عشق نہیں ہے اس غیرت سے آگ کا شعلہ بنکر آدم میں لگ گیا

لیکن عشق کی منزل سخت کڑی منزل ہی۔ اس میں وہ تمام جذبات اور خواہشیں جو انسان کے اندر موجود ہیں قربان کردینی پڑتی ہیں اور مادی ہستی کے چمن کو آگ لگا دینا پڑتا ہی تب انسان انسان ہوتا ہی۔ خواجہ فرماتے ہیں ؎

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقل ست   کسے آں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

عشق کے سرکار کی درگاہ عقل سے بہت زیادہ بلندی پر ہی۔ وہی شخص اسکی آستان بوسی کرسکتا ہی جو جان ہتیلی پر رکھے

اسی مادی ہستی کا نام ہی "خودی"!

جب تک انسان اس خودی سے قدم باہر نہ نکالیگا۔ اس وقت تک وہ معرفت سے بے بہرہ رہیگا۔ خواجہ کہتے ہیں ؎

تو کز سرائے طبیعت نمی روی بیروں   کجا بکوئے حقیقت گذر توانی کرد

تو اپنے طبعی جذبات کے دائرے سے تو باہر نکلتا ہی نہیں پھر بھلا حقیقت کے کوچہ میں تیرا گذر کیونکر ہو

خواجہ کے اشعار میں جابجا اس بات کی تحریک پائی جاتی ہی کہ لوگ کیوں مادی جذبات کی خدمت میں مصروف ہیں اور روحانی ترقی اور معرفت کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے فرماتے ہیں ؎

بال بکشا و صفیر از شجر طوبے زن   حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

پر کھول اور طوبے کے درخت پر جاکر چہچہا۔ افسوس ہی کہ تجھ جیسی چڑیا پنجرے میں قید رہے

خواجہ کا تمام دیوان شروع سے آخر تک اسی قسم کے روحانی لطائف اور حقیقی اسرار سے لبریز ہی۔ جو لوگ تصوف کے کوچے سے باخبر اور معرفت کے راز سے واقف ہیں وہی کچھ ان لطائف و اسرار کا حظ اُٹھا سکتے ہیں یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جو الفاظ اور عبارت سے ذہن نشین کرائی جاسکیں ؎

شعرِ حافظ ہمہ بیت الغزلِ معرفت است آفریں بر نفس دلکش و لطف سخنش

اخلاق

دنیا میں اگر سب سے بہتر کوئی شئے ہے تو وہ محبت ہے۔ یہ ایک ایسی تلوار ہے جس سے ان تمام برائیوں کی جو انسان میں موجود ہیں گردن کاٹی جا سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر فطرتاً محبت کا مادہ موجود ہے تو یقیناً اس کے تمام اخلاق پسندیدہ ہوں گے۔ بزرگوں کی اخلاقی خوبیوں کی جڑ یہی محبت ہے

خواجہ کے کلام سے بھی محبت کا شیرہ چھن چھن کے ٹپکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی سے رنجیدہ ہونا اسی کا نام کفر ہے ؎

قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ہم دھکے کھاتے ہیں۔ ملامت سنتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں کسی سے رنجیدہ ہونا کفر ہے

یہ وہی صوفیانہ اور مقدس تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ اگر کوئی دائیں گال پر تمانچہ مارے تو بایاں بھی سامنے کر دو۔ چادر چھینے تو کرتہ بھی اتار کر دیدو۔ افسوس ہے کہ تمام دنیا صوفی اور فلسفی نہیں ورنہ یہ وہ تعلیم ہے کہ اس کی بدولت چمن دنیا سے باہمی عداوت کی بیخ و بن اکھاڑ کے پھینکی جا سکتی ہے۔

کس جوش کے ساتھ فرماتے ہیں ؎

چناں بزی کہ اگر خاک رہ شوی کس را غبار خاطرے از رہگذار ما نرسد

اس طرح زندگی بسر کرو کہ اگر تم کسی کے راستہ کی خاک بھی بنجاؤ تب بھی تمہارے غبار سے کسیکا دل مکدر نہ ہونے پائے

ایک جگہ اور کہا ہے ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہی نیست

کسیکو ستانے کے پیچھے مت پڑو اور جو کچھ چاہو کرو۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں بجز اسکے اور کوئی گناہ نہیں ہے

دوستی کی ترغیب دلاتے ہیں ؎

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل بار آرد — نہال دشمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد

دوستی کا درخت لگاؤ کہ دل کی مراد کا پھل دے۔ اور دشمنی کا پودا اُکھاڑ ڈالو کیونکہ اس سے بیشمار تکلیفیں پہنچتی ہیں

صلح اور نرمی سے دونوں جہاں کے مقصد حاصل ہوتے ہیں ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

دنیا کی نعمت اور دولت سب فانی ہیں۔ یہ اس قابل نہیں کہ ان کے واسطے انسان لڑے جھگڑے۔ اور انسانی شرافت پر دھبہ لگائے ؎

نزاع بر سر دنیائے دوں نباید کرد — بآشتی ببر اے نور دیدہ گوئے فلاح

ذلیل دنیا کیلیے جھگڑنا نہیں چاہیے۔ جان من! صلح رکھو۔ اسی سے کامیابی کی بازی جیت سکوگے

عیب گیری ایک ایسا عیب ہے کہ اس سے انسان کے صاف دل پر بہت جلد زنگ بیٹھ جاتا ہے اور یہ عیب خود بینی۔ خود رائی۔ تحقیر غرض بہت سے عیبوں کا تخم انسان کے اندر بو دیتا ہے۔ اور محبت کو کھو دیتا ہے۔ خواجہ کہتے ہیں ؎

عیب درویش و توانگر بکم و بیش بدست — کار بد مصلحت آنست کہ مطلق نہ کنیم

امیر غریب کسی کی عیب گیری کم ہو یا زیادہ بُری ہے۔ اور مصلحت یہ ہے کہ برا کام ہم مطلق نکریں

خواجہ دورنگی سے بہت جلتے ہیں ؎

رنگ تزویر پیش ما نبود — شیر سرخیم و افعی سیہیم

مکاری کا رنگ ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم جو شیر ہیں تو سرخ اور سانپ ہیں تو سیاہ

بھوراشیر اور مٹیالا سانپ دور سے نہیں پہچانا جاتا۔

اسی وجہ سے ریاکاروں سے ان کو سخت نفرت ہی اور نہایت زوردار الفاظ میں انکی جابجا مذمت کی ہی ؎

حافظا میخور و رندی کن و خوش باش ولے　　دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

ریا حلال شناسند و جام بادہ حرام　　زہے شریعت و مذہب زہی طریقت و کیش

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نہ بود　　بہتر از زہد فروشی کہ درو روے و ریاست

بزیر دلق مرقع کمندہا دارند　　درازدستی این کوتہ آستینان بین

[illegible]

صوفی شہر بین کہ چون لقمۂ شبہ می‌خورد [illegible]

اخلاقی معلموں کی دنیا میں کمی نہیں ہے [illegible]

ہوتا ہی ایک شخص ایک بات بتاتا ہی کچھ اثر نہیں [illegible]

کہ روح اس کو شہد کی طرح چاٹنے لگتی ہی۔ مثلاً [illegible]

ہیں۔ خواجہ اسی عام مضمون کو اس طرح ادا کر[illegible]

برین رواق زبرجد نوشتہ اند بزر　　[illegible]

آسمان کے اس سبز ایوان پر سنہری حرفوں میں لکھا ہے [illegible]

اسی طرح کی بہت سی اخلاقی تعلیم انھوں نے [illegible]

خودغرضی چھوڑ دینے سے آدمی کامیاب اور مقبول ہوتا ہی

طریق کام جستن چیست ترک کام خود گفتن — کلاہ سروری این است اگر بر ترک بردوزی

غرور سے انسان ناکام رہتا ہی اور خاکساری سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہی۔

زاہد غرور داشت، سلامت نہ برد راہ — رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

فرض ادا کرتے رہو اور مذہبی بحث سے کنارہ کشی کرو ؎

فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم — ورنگویند روانیست نگوئیم رواست

زندگی کو غنیمت سمجھو۔ اور جو سلوک ہو سکے کر ڈالو ؎

چو بر روے زمین باشی توانائی غنیمت دان — کہ دوران ناتوانیہا بسے زیر زمین دارد

جب دل پاک نہو تو دیر و کعبہ برابر ہی ؎

چوں طہارت نبود کہ و ... خانہ یکے است — نبود خیر در آن خانہ کہ عصمت نبود

... یض سے محروم رہتا ہی ؎

حا ... — ہر کرا نیست ادب لایق صحبت نبود

... آگے حاجت پیش کرنا ذلت ہی ؎

... حاجت آں بہ کہ بر قاضی حاجات بریم

... منفوں نے جو روحانیت سے بالکل ذوق
... ستانہ اشعار کو دیکھکر یہ لکھا ہی کہ انکا فلسفہ
... یکن یہ ان کی سخت نافہمی ہی۔ خواجہ معرفت
... وجد کو مستی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے
... حیں ان کے کلام میں آتی ہیں جن کو ایشیا کے

سخن فہم عام طور پر سمجھتے ہیں۔ ان کی رندی و سرمستی اس قسم کی نہیں ہے جیسی اپیکورس کی تھی اور جو سراسر ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھی۔ ان کا جام شاعری مدرِ خمریہ کے زہرِ ہلاہل سے بالکل پاک ہے۔ ان کی خوشی حقیقی خوشی ہے۔ اب اس موقع پر صاف کہنا پڑا کہ دراصل اُن کے کلام کا زیادہ تر حصہ رسول پاک کی تعریف میں ہے۔ اُنھوں نے ہر چند اس کو کنایتاً بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض بعض جگہ صاف نمایاں ہو گئی ہے مثلاً

بدل ربائی اگر خود سر آمدی چہ عجب
کہ نورِ حسنِ تو بود از اساسِ آدم پیش

گرچہ شیریں دہناں پادشہانند ولے
آں سلیمانِ زمانست کہ خاتم با اوست

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوسِ تو نیت کرد
کہ در حسنِ تو چیزے یافت بیش از نورِ انسانی

توئی آں گوہرِ یکدانہ کہ در عالمِ قدس
ذکرِ خیرِ تو بود حاصلِ تسبیحِ ملک

گشتیم جہاں را کہ ببینیم و ندیدیم
مثلِ تو کسے را کہ بود میرِ قبائل

نگارِ ما کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

کہیں کہیں وہ پیک (پیغمبر) کے لفظ سے کنایہ کرتے ہیں مثلاً

آں پیکِ نامور کہ رسید از دیارِ دوست
آورد حرزِ جاں ز خطِ مشکبارِ دوست

خوش میدہد نشانِ جمال و جلالِ یار
خوش میکند حکایتِ عز و وقارِ دوست

دونوں

الغرض خواجہ کا کلام روحانی وجد و ذوق اور حقیقی جذبات و لطائف کا مجموعہ ہی جس پر مجازی رندی اور عاشقی کا غلاف پڑا ہوا ہی۔ وہ خود فرماتے ہیں ؎

دوستان در پردہ میگویم سخن | گفتہ خواہد شد بدستان نیز ہم

حافظ اور سعدی

یہ ٹھیک نہیں معلوم کہ فارسی شاعری کی ابتدا کب سے ہوئی لیکن یہ امر مسلم ہی کہ فارسی کا سب سے پہلا شاعر جس کا دیوان مل سکا ہی حافظ ابو الحسن رودکی ہی جو چوتھی صدی ہجری میں گزرا ہی۔

اگرچہ اس زمانہ میں شاعری کی ابتدا تھی اور زیادہ تر لوگ قصیدے لکھتے تھے جن میں امرأ اور سلاطین کی مدح ہوتی تھی لیکن شاعری اور حسن و عشق کچھ لازم و ملزوم سی چیزیں ہیں چنانچہ عاشقانہ شاعری یعنی غزل کی بھی ابتدا اسی زمانہ سے ہوئی۔

اگرچہ اس وقت جو دیوان رودکی کا موجود ہی۔ اس میں غزلیں نہیں ہیں لیکن رودکی نے غزلیں لکھی تھیں اور اچھی لکھی تھیں۔ مگر ضائع ہوگئیں۔ عنصری کہتا ہی۔

غزل رودکی وار نیکو بود | غزلہائے من رودکی وار نیست

اس موقع پر ہم اس کے قصاید کی تشبیب سے چند عشقیہ اشعار نقل کرتے ہیں جن سے کچھ اس کی غزلوں کی کیفیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

رودکی

در ہوائے نیکواں گشتم آشنا | در سر شک دیدہ گردانم چو مرد آشنا

تامرا بیند ہوا باکس نگیرد دوستی — تامرا یا بدبلا باکس نگردد آشنا
آں گلے بشگفت کاں بر خوبرویاں سربود — در بنفشہ بر سر سرو سہی شش افسر بود
شخص با جاں آں زماں باشد کہ با جاناں بود — مرد با دل آں زماں باشد کہ با دلبر بود

دشوار نمائی رخ و دشوار دہی بوس — آساں بربائی دل و آساں بری جاں

رودکی کے دوسو برس بعد تک بجز اس کے کہ زبان اور اسلوب بیان میں کسیقدر صفائی اور شستگی ہو گئی غزل میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی۔ انوری خاقانی ظہیر وغیرہ نے قصیدہ گوئی کو معراج کمال پر پہنچا دیا زبان کو صاف کیا لیکن مدحی نے ان کو غزل گوئی کی طرف توجہ کرنے کی بہت کم فرصت دی۔

چھٹی صدی کے آخر کا وہ زمانہ تھا جس میں شاعری کا تیسرا اور آخری پیغمبر پیدا ہوا یعنی سعدی۔ یہ شخص ایک عجیب دماغ خدا کے یہاں سے لایا تھا جس کے اندر مختلف طاقتیں اور نہایت زبردست طاقتیں مجتمع تھیں۔

وہ زاہدوں میں سچا زاہد رندوں میں مست رند۔ منبروں پر فصیح و بلیغ خطیب اور محفلوں میں لطیف و ظریف شاعر تھا اس کے ایک ہاتھ میں آئینہ شریعت تھا اور دوسرے ہاتھ میں سندان عشق وہ کہتا ہے اور سچ کہتا ہے ؎

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق — ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اس کے جدت پسند دماغ نے غزل گوئی کی اسی پرانی لکیر کو جس میں عشق مجازی کی کیفیت ہوتی تھی پیٹنا پسند نہ کیا۔ اس نے ایک نئی شاہراہ نکالی جو تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز اور بال سے بھی زیادہ باریک تھی یعنی اس نے مجاز اور حقیقت دونوں

کو باہم منطبق کر دیا اور ظاہری عشق میں تصوف اور درویشی کا نمک ملا دیا جس سے اس کے دیوان کا نام نمکداں قرار پایا۔

وہ معشوق مجازی کے رخساروں کے آئینوں میں شاہد حقیقی کی جھلک دکھاتا ہے اور زلف و خال لب و دنداں سے اس کے ازلی صفات کا نقشہ کھینچتا ہے۔ عارفین اور کاملین کو رندوں اور مےخواروں کے بھیس میں جلوہ گر کرتا ہے اور دف و چنگ کے پردے میں غیبی واردات اور صوفیانہ رموز کے نغمے گاتا ہے۔

اُس کا یہ رنگ دنیا کو اس قدر پسند آیا اور اتنا مقبول عام ہوا کہ بلا استثنا تمام شعرائے اسی کی پیروی شروع کی۔ امیر خسرو[۱] اور امیر حسن دہلوی۔ خواجو کرمانی کمال خجندی اور سلمان ساوجی وغیرہ الغرض جس قدر شعرا شیخ کے بعد ہوئے سب نے اسی کی شاہراہ اختیار کی اور اسی کے قدم بقدم چلنا شروع کیا۔ امیر خسرو کہتے ہیں ؎

خسرو مست اندر ساغر معنی بریخت
شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

لیکن جو رنگ شیخ نے ایجاد کیا تھا اس میں کوئی اس کی برابری نہ کر سکا تھا گو اس کے پیرؤں میں امیر خسرو سب سے آگے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ کے کلام کو ان کا کلام نہیں پہنچ سکتا امیر خسرو کے اشعار میں سادگی۔ دل آویزی اور گرمی سب باتیں سہی لیکن نہ اس قدر جتنی کہ شیخ کے کلام میں ہیں۔

شیخ کی وفات کے تقریباً نصف صدی بعد خواجہ حافظ کی شاعری کا زمانہ آیا۔

---

[۱] امیر خسرو دہلوی مشہور شاعر ہیں۔ متوفی ۷۲۵ھ۔ امیر حسن دہلوی بھی۔ امیر خسرو کے دوست تھے انھوں نے ۷۲۶ھ میں وفات پائی۔ کمال خجندی ایک صوفی شاعر تھے تبریز میں سکونت اختیار کر لی تھی ۸۰۳ھ میں وفات پائی۔

جنھوں سنے اس کے لگائے ہوئے چمن کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ وہ جنت کا نمونہ بنگیا اور اس کے پودھوں کی شاخوں کو آسماں تک پہنچا دیا۔

ہمارے سامنے اس وقت ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے تمام بڑے بڑے شعرائے کے دیوان رکھے ہوئے ہیں۔ جب ہم ان کو پڑھتے ہیں اور پھر خواجہ کے دیوان کو اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہی حقیقت میں کپتان کلارک کا یہ کہنا نہایت صحیح ہی کہ "خواجہ ایک ایسے شاعر ہیں جن کا موازنہ دنیا کے کسی شاعر کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا"۔

امیر خسرو۔ خواجہ سلمان۔ کمال خجندی ان لوگوں کا کمال اسی وقت تک نظر آتا ہی۔ جب تک کہ خواجہ حافظ کے مقابلہ میں نہ لائے جائیں۔

خواجہ کے کلام کا ان لوگوں کے کلام کے ساتھ موازنہ کرنا دراصل خواجہ کی ہتک اور تحقیر ہی۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم دوسرے شعرائے کے کلام کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان پر عیب گری کرتے ہیں ؎

ماعیب کس بر ندی و مستی نمی کنیم　　لعل بتاں خوش ست و مے خوشگوار ہم

لیکن یہ ایک واقعہ ہی جس کے بیان کرنے پر ہم مجبور ہیں چاند کی روشنی نہایت دلفریب ہی لیکن اسی وقت تک جب تک کہ سورج نہو۔

سلمان ساوجی اور کمال خجندی خواجہ کے بیحد قائل تھے اور دونوں اپنی اچھی اچھی غزلوں کو خواجہ کے پاس بھیجا کرتے تھے کمال خجندی نے ایک مرتبہ یہ غزل جو ان کو بہت پسند تھی خواجہ کے پاس بھیجی۔

گفت یار از غیر ما پوشاں نظر گفتم بچشم　　واں گہے دزدیدہ در ما منگر گفتم بچشم

گفت اگر سر دربیابانِ غمم خواہی نہاد
تشنگاں را مژدہ از ما ببر گفتم بچشم

گفت اگر یابی نشان پائے ما بر خاک را؟
بر فشاں آنجا بدامنہا گہر گفتم بچشم

گفت اگر گردد لبت خشک از دمِ سوزان و آہ
باز میسازش چوں شمع از گریہ تر گفتم بچشم

گفت اگر گردی شبے از روئے چوں ماہم جدا
تا سحر گاہاں ستارہ بر شمر گفتم بچشم

گفت اگر داری خیال دُرِّ وصل ما کمال
قعر ایں دریا بہ پیما سر بسر گفتم بچشم

خواجہ نے اس مصرعہ "تشنگاں را مژدہ از ما بر گفتم بچشم" کو بہت پسند فرمایا اور تعریف کی اب ذرا خواجہ کا دیوان اُٹھا کر دیکھئے بہت تلاش کرنے سے شاید اس میں کوئی ایسی غزل مل سکے گی جو اس سے اونچے درجہ کی ہو۔

الغرض اصلی غزل کی ایجاد شیخ نے کی۔ اور اس کی تکمیل خواجہ پر ہو گئی۔ شیخ کا قول ہے ؎

زلطفِ لفظ شکر بار گفتۂ سعدی
شدم غلام ہمہ شاعرانِ شیرازی

خواجہ بھی شیخ کی اُستادی کو تسلیم کرتے ہیں ؎

استادِ غزل سعدی ست نزد ہمہ کس اما
دارد سخنِ حافظ طرز سخن خواجو

خواجہ نے ابتدا میں خواجو کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ اس موقع پر اسی کی شکر گزاری کرتے ہیں ورنہ آج خواجو کو کون جانتا ہے۔

الغرض سعدی کے بعد غزل گوئی میں اگر کوئی پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ حافظ ہے اور حافظ کی غزلوں کے مقابلہ میں اگر کسی کی غزلیں لائی جا سکتی ہیں تو سعدی کی فارسی غزل گوئی کے یہی دونوں بڑے رُکن ہیں۔ ایک موجد ہے دوسرا

اس کو درجہ کمال پر پہنچانے والا ہی اہلِ شیرازی کہتا ہی ؎

عقل و فہم شاعراں در عجز و حیرت آورند　　سعدی معجز بیان و حافظ سحر آفریں

اگرچہ ہم اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک شاعر کی شعر گوئی کی اصلی کیفیت اسی وقت معلوم ہوتی ہی جب اس کا دیوان مطالعہ کیا جائے۔ مگر اس موقع پر ہم سعدی اور حافظ کے بعض ہم مضمون اشعار اس لیے پیش کرتے ہیں تاکہ کچھ کچھ ان کے اسلوب بیان کا اندازہ ہو سکے۔

حافظ نے کہیں تو سعدی کے بعض مصرعے بجنسہ لے لیئے ہیں اور ان پر اپنا مصرع لگا کر شعر کو قطرہ سے موتی بنا دیا ہی اور کہیں دونوں کے اشعار کا مضمون ملگیا ہی۔

سعدی　بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　سگم خواندی و خوشنودم جزاک اللہ کرم کردی

حافظ　بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

شیخ کے دونوں مصرعوں میں ایک ہی بات تھی خواجہ نے پہلا مصرعہ بجنسہ لے لیا اور اس پر اپنا دوسرا مصرع لگا کر شعر کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔

سعدی　جز ایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب　　کہ مہربانی ازاں طبع و خو نمے آید

حافظ　جز ایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب　　کہ خالِ مہر و وفا نیست روئے زیبا را

شیخ نے یار کے جمال میں یہ عیب نکالا کہ اس کی طبیعت میں مہربانی نہیں ہی۔ لیکن جمال سے حسن ظاہری مراد ہی اور طبیعت کی مہربانی ایک باطنی چیز ہی۔ خواجہ نے اس نکتہ کو محسوس کر لیا اور اس باطنی صفت کو بھی اُنھوں نے ظاہری شکل میں لا کر یوں کہا کہ اس خوبصورت چہرے پر مہر و وفا کا تل نہیں ہی۔

سعدی　اے کہ منعم کنی از عشق و ملامت گوئی　　تو نبودی کہ من ایں جام محبت خوردم

حافظ منعم کنی زعشق وے اے مفتی زماں | معذور دارمت کہ تو اورا ندیدۂ

شیخ کہتا ہی کہ عشق سے مجھے روکنا اور ملامت کرنا فضول ہی کیوں کہ جام عشق میں نے ازل ہی میں پیا ہی اور مشیت ازلی یہی تھی خواجہ کہتے ہیں کہ اے مفتی زمانہ تو جو مجھے عشق سے منع کرتا ہی تو میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کیوں کہ تو نے اس حسن کو دیکھا ہی نہیں یہ مضمون انسانی فطرت کے مطابق اور دلنشیں ہی۔

سعدی من از کجا و تمنائے وصل تو زکجا | اگرچہ آب حیاتی ہلاک خود جستم

حافظ تو از کجا و امید وصال او زکجا | بدامنش نرسد دست ہر گدا حافظ

شیخ کہتا ہی کہ میں تیرے وصل کی کیونکر تمنا کر سکتا ہوں تو اگرچہ آب حیات ہے لیکن میرے لیے مہلک ہی۔ دونوں مصرعوں کا جوڑ کچھ ٹھیک ملا نہیں بخلاف اس کے خواجہ کہتے ہیں کہ حافظ تو کہاں اور اُس کے وصل کی امید کہاں تو ایک فقیر ہی اور وہ بادشاہ ہی۔ ہر فقیر کا ہاتھ اس کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

سعدی آں نہ خالست و زنخدان و سر زلف پریشاں | کہ دل اہل نظر بردہ کہ سریست خدائی

حافظ لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد | کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاریست

مضمون دونوں ایک ہی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ معشوق کے زلف و لب اور خال و خط پر اہل نظر عاشق نہیں ہوتے بلکہ اُن کو ان میں کسی اور چیز کی جھلک نظر آتی ہی جس پر وہ فریفتہ ہوتے ہیں۔ مگر دونوں کا طرز بیان الگ الگ ہی۔ سعدی نے صاف صاف اس کو کہہ دیا کہ "سریست خدائی" حافظ نے کنایہ میں کہا کہ "لطیفہ ایست نہانی" وہی بات ہی مگر حافظ نے اس کو زیادہ لطیف پیرایہ میں کہا۔

سعدی یارب تو آشنا را مہلت دہ و سلامت | چندانکہ باز بیند دیدار آشنا را

حافظ کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز — باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را

مہلت اور سلامتی مانگنے کے لئے قید مصیبت کا بیان کر دینا بھی ضروری تھا۔ خواجہ نے ظاہر کیا کہ ہم کشتی شکستہ ہیں۔

خواجہ نے اپنے اس شعر کا مضمون دراصل خواجہ عبید اللہ انصاری متوفی ۴۸۱ھ کے اس شعر سے لیا ہی۔

کشتی شکستہ ہیست کز روح باز ماند — تا نفخ صور جوید آمرزش خدا را

مگر یہ مضمون محض صوفیانہ تھا خواجہ نے اس کو اپنے رنگ کا بنا لیا۔

انسان کے آخری فیصلہ کی کیفیت کو جبکہ وہ طے کر لیتا ہی کہ یا جان دیدونگا یا مقصد حاصل کرونگا نظامی نے اپنے بہادرانہ لہجے میں اس طرح ادا کیا ہی ؎

من آں گہ عناں باز پیچم زراہ — کہ یا سر دہم یا ستانم کلاہ

میں راستہ سے اس وقت اپنی لگام پھیرونگا کہ یا سر دیدوں یا تاج لے لوں

سعدی نے عاشقانہ انداز میں یوں کہا۔

تا چہ خواہد کرد با من دور گیتی زیں دو کار — دست او در گردنم یا خون من در گردنش

دیکھا چاہیے کہ زمانہ کی گردش ان دونوں کاموں میں سے کونسا کام میرے ساتھ کرتی ہی اسکے ہاتھ میری گردن میں پڑتی ہیں یا میرا خون اسکی گردن پر

حافظ کہتے ہیں ؎

او بخونم تشنہ و من بر لبش تا چوں شود — کام بستانم ازو یا داد بستاند زمن

وہ میرے خون کا پیاسا ہی اور میں اسکے لبوں کا۔ دیکھا چاہیئے کہ کیا ہوتا ہی میں اس سے اپنا مطلب حاصل کرتا ہوں یا وہ مجھے قتل کرتا ہی

سعدی کے شعر میں یہ کمی تھی کہ انھوں نے پہلے مصرعہ میں اپنے طلب اور کوشش کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی حافظ نے ایک حد تک اس کمی کو پورا کیا۔ لیکن ابتک

ان میں سے کسی میں یہ خوبی نہیں پیدا ہوئی تھی کہ وہ ضرب المثل بنتا خواجہ نے دوسرے شعر میں اسی مضمون کو نہایت خوبی کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے

دست از طلب ندارم تا کام من برآید — یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اب ہر طرح یہ مضمون مکمل ہو گیا۔ اور مذاق عام کی روح میں حلول کر جانے کی قابلیت اس میں پیدا ہو گئی چنانچہ یہ ضرب المثل ہو گیا الغرض سعدی اور حافظ کے طرز ادا میں سے انتہا فرق ہے چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

سعدی عمرہا در پئے مقصود بجاں گردیدیم — دوست در خانہ و ما گرد جہاں گردیدیم
حافظ سالہا دل طلب جام جم از ما میکرد — انچہ خود داشت زبیگانہ تمنا میکرد

سعدی کجا خود شکر ایں نعمت گذارم — کہ زور مردم آزاری ندارم
حافظ من از بازوے خود دارم بسے شکر — کہ زور مردم آزاری ندارم

سعدی ہر کس از دست غیر نالہ کند — سعدی از دست خویشتن فریاد
حافظ من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم — کہ با من انچہ کرد۔ آں آشنا کرد

سعدی مردہ از خاک لحد رقص کناں برخیزد — گر تو بالائے عظامش گذری عظم رمیم
حافظ بر سر تربت من بے مئے و مطرب منشیں — تا بہ بویت ز لحد رقص کناں برخیزم

سعدی بخدا کہ گر بمیرم کہ دل از تو برنگیرم — بروائے طبیب از سر کہ دوا نمی پذیرم

حافظ بروے طبیب از سر کہ خیال سر ندارم　　بگذار ہا کنم جاں کہ ز جاں خبر ندارم

کنار سعدی ازاں روز کز تو دور افتاد　　ز آب دیدہ تو گوئی کہ رود جیحونست

حافظ　ازاں زماں کہ ز دو تم برفت یار عزیز　　کنارہ دیدہ من ہمچو رود جیحونست

سعدی　عرقت بر ورق روے نگاریں بچہ ماند　　ہمچوں بر صفحۂ گل قطرہ باران بہاری

حافظ　از تاب آتش مے بر گرد عارضش خوے　　چو قطرہاے شبنم بر برگ گل چکیدہ

سعدی　بیحاصلست مارا۔ اوقات زندگانی　　الا دمیکہ یارے با ہمدمے گذارد

حافظ　اوقات خوش آں بود کہ با دوست بسر شد　　باقی ہمہ بیحاصلی و بے خبری بود

سعدی　اگرچہ خاطرت با ہر کسے پیوند ہا دارد　　مبادا آنروز و آنساعت کہ من جز با تو پیوندم

حافظ　اگر بر جائے من غیرے گزیند دوست حاکم او　　حرامم باد اگر من جاں بجائے دوست بگزینم

سعدی　بندہ ام گر بلطف میخوانی　　حاکمی گر بقہر میرانی

حافظ　اگر بلطف بخوانی مزید الطافست　　وگر بقہر برانی درون ما صافست

سعدی　عروس ملک نکو روے دختریست ولے　　وفا نمی کند ایں سست مہر با داماد

حافظ　مجو درستی عہد از جہان سست نہاد　　کہ ایں عجوزہ عروس ہزار دامادست

سعدی بتماشائے درخت چمنش حاجت نیست | آنکہ در خانہ چو تو سرو روانے دارد
حافظ مرا در خانہ سرو یست کاندر سایۂ قدش | فراغ از سرو بستانی و گلمائے چمن دارم

سعدی از ورطۂ ما خبر ندارد | آسودہ کہ برکنار دریاست
حافظ شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل | کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

سعدی نہ من خام طبع عشق تو میورزم و بس | کہ چو من سوختہ در خیل تو بسیارے ہست
حافظ نہ من برآں گل عارض غزل سرائم و بس | کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

سعدی فارسی زبان کا پیغمبر ہی۔ اسلوب بیان کا بادشاہ ہی۔ اس کی گلستاں کی نثر کے ایک ایک فقرے دوسرے شعراء کے ایک ایک دیوان پر بھاری ہیں۔ لیکن دیکھئے معنوی خوبیوں میں لفظوں کی شیرینی اور فصاحت میں طرز ادا اور اسلوب بیان کی جدت اور لطافت میں حافظ کس قدر اس سے بلند ہی!!

مولانا حالی کہتے ہیں۔

"جن اصول پر شیخ نے غزل کی بنیاد رکھی تھی اس کے بعد اکثر متغزلین نے وہی اصول اختیار کیئے کیوں کہ ان کے بغیر غزل کا سرسبز ہونا نہایت دشوار تھا اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران ترکستان اور ہندوستان میں ایک آگ سی لگ گئی ہر موزوں طبع نے غزل کہنی اختیار کی اور غزل گویوں کی تعداد حساب اور شمار سے بڑھ گئی۔ از انجملہ بعض اکابر کی غزل نے شیخ سے بھی زیادہ شہرت اور رواج پایا۔ علی الخصوص حافظ شیراز کی غزل نے اپنا وہ سکہ جمایا

کہ مذکورہ بالا ملکوں میں جو لوگ شعر کا مذاق رکھتے تھے یا فقر و درویشی کی چاشنی سے باخبر تھے یا راگ راگنی سے آشنا تھے یا شراب و کباب کا چسکا رکھتے تھے۔ یا عاشق مزاج اور عشق دوست تھے سب جان و دل سے اسیر قربان ہوگئے۔ رقص و سرود کی محفلوں میں حال و قال کی مجلسوں میں۔ قہوہ خانوں میں شعراء کی صحبتوں میں مشائخ کے حلقوں میں در و دیوار سے لسان الغیب ہی کی آواز آنے لگی "۔

کلام کا نمونہ

(فارسی کی تمام شاعری کا اگر انتخاب کیا جائے تو اچھے اور عمدہ اشعار اتنے نہ نکل سکیں گے جتنے صرف دیوان حافظ میں نکلیں گے دیوان حافظ کے تمام اشعار شروع سے آخر تک (سوائے الحاقی غزلوں کے) بے مثل اور لاجواب ہیں۔

انچہ ابیات بلندست کہ از طبعش زاد　　انتخابیست ز دیوانِ سخن بخشِ ازل

ولیم جونس کہتا ہے کہ

"حافظ کا دیوان اس چمن سے مشابہ ہے جس میں انسان اگر ایک پھول کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو دوسرے پھول کا رنگ اور تازگی دیکھکر اس کو توڑنے کو جی چاہتا ہے۔ اور جب اسکی طرف لپکتا ہے تو تیسرے کی شگفتگی اور خوبصورتی سفارش کرتی ہے کہ مجکو توڑو۔ گلچین متحیر اور مبہوت رہجاتا ہے کہ کس کو توڑے اور کسکو نہ توڑے"

یہ ممکن ہے کہ اپنی طبیعت کے مذاق کے مطابق کسی کو ایک غزل دوسری سے زیادہ پسند آئے لیکن بحیثیت نفس شاعری کے دیوان حافظ کا انتخاب نہیں ہوسکتا بہت سے لوگوں نے

انتخابات کیئے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ایک نے جو غزلیں چھوڑ دی ہیں دوسرے نے وہی منتخب کی ہیں۔ صائب کہتا ہی ع

کہ شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد

ہم کو اس انتخاب پر ایک واقعہ یاد آیا کئی سال کا عرصہ ہوا ایک دفعہ ہم قنوج سے گذرے دل نے کہا اکثر یہاں سے عطر منگواتے ہیں۔ کارخانہ والے جیسا چاہتے ہیں اٹھا کر بھیجدیتے ہیں اب تو یہاں آہی گئے ہیں لاؤ ایک دن کے لیئے ٹھہر جائیں اور خود کارخانہ میں چلکر اپنی پسند کے موافق دوستوں کے لیئے عطر کی شیشیاں خریدیں۔ ٹھہر گئے۔ شام کے وقت ایک بڑے کارخانے میں پہنچے۔ وہاں جانے کے ساتھ ہی۔ اس قدر خوشبو دماغ میں بسگئی کہ اچھا اور برا پہچاننا تو درکنار کیوڑے اور گلاب میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر کارخانہ والوں نے جو شیشی اُٹھا کر دیدی وہی لیلی۔

دیوان حافظ دیکھتے وقت بھی قوت انتخاب دماغ سے بالکل جاتی رہتی ہی۔ تمام تذکرہ نویس اس سے انتخاب کرنے کو بے ادبی سمجھتے ہیں ہم اس موقع پر بلا انتخاب چند غزلیں جو ہمارے ملک کے لوگوں میں عام طور پر مشہور ہیں درج کرتے ہیں۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا — کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا
بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا
مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم — جرس فریاد بر دارد کہ بربندید محملہا
شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل — کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا
بوئے نافہ کاخر صبا زاں طرہ بکشاید — ز تاب جعد مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر — نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

حضوری گر همی خواهی ازو غایب مشو حافظ
متی ما تلق من تهوی دع الدنیا واهملها

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را   دردا که راز پنهاں خواهد شد آشکارا
دہ روزہ مهر گردوں افسانه است و افسوں   نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا
کشتی شکستگانیم اے باد شرطه برخیز   باشد که باز بینیم آں یار آشنا را
در حلقهٔ گل و مل خوش خواند دوش بلبل   هات الصبوح وحیوا یا ایها السکارا
اے صاحب کرامت شکرانهٔ سلامت   روزے تفقدے کن درویش بےنوا را
آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرفست   با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا
در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند   گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را
آئینهٔ سکندر جام مے است بنگر   تا بر تو عرضه دارد احوال ملک دارا
هنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی   کیں کیمیائے هستی قاروں کند گدا را
گر مطرب حریفاں ایں پارسی بخواند   در رقص و حالت آرد پیران پارسا را

حافظ بخود نپوشید ایں خرقهٔ مے آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را   بخال هندوش بخشم سمرقند و بخارا را
بده ساقی مے باقی که در جنت نخواهی یافت   کنار آب رکناباد و گلگشت مصلے را
فغاں کیں لولیان شوخ و شیریں کار شهرآشوب   چناں بردند صبر از دل که ترکاں خوان یغما را
ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است   بآب و رنگ و خال و خط چه حاجت روئے زیبا را
من از آں حسن روزافزوں که یوسف داشت دانستم   که عشق از پردهٔ عصمت بروں آرد زلیخا را

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو　　که کس نگشود و نگشاید بحکمت این معما را

نصیحت گوش کن جاناں که از جاں دوست تر دارند　　جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جواب تلخ میزیبد لب لعل شکر خارا

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخواں حافظ
که بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را　　که سر بکوه و بیاباں تو دادۂ ما را

شکر فروش که عمرش دراز باد چرا　　تفقدے نکند طوطی شکر خا را

غرور حسن اجازت مگر نه داد اے گل　　که پرسشے نکنی عندلیب شیدا را

بحسن خلق تواں کرد صید اہل نظر　　به بند دام نگیرند مرغ دانا را

چو با حبیب نشینی و باده پیمائی　　بیاد آر حریفان باد پیما را

ندانم از چه سبب رنگ آشنائی نیست　　سہی قدان سیه چشم ماه سیما را

جز ایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب　　که خال مہر و وفا نیست روے زیبا را

در آسماں چه عجب گر ز گفتۂ حافظ
سماع زہره برقص آورد مسیحا را

رسید مژده که ایام غم نخواہد ماند　　چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

من ارچه در نظر یار خاکسار شدم　　رقیب نیز چنیں محترم نخواہد ماند

غنیمتے شمر اے شمع وصل پروانه　　که ایں معامله تا صبحدم نخواہد ماند

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد　　که بر درِ کرمش کس دژم نخواہد ماند

بریں رواق زبرجد نوشته اند بزر　　که جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

چہ جائے شکر و شکایت ز نقش نیک و بدست | کہ نقش مہر و نشان ستم نخواہد

زمہربانی جاناں طمع مبر حافظ
کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نخواہد ماند

غلام نرگس مست تو تاجدارانند | خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند
ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز | وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند
گذار کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں | کہ از تطاول زلفت چہ سوگوارانند
رقیب در گذر و بیش ازیں مکن نخوت | کہ ساکنان در دوست خاکسارانند
نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو | کہ مستحق کرامت گناہگارانند
نہ من براں گل عارض غزل سرایم و بس | کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند
تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من | پیادہ میروم و ہمرہاں سوارانند
بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن | مرو بصومعہ کانجا سیاہ کارانند

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد
کہ بستگان کمند تو رستگارانند

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند | نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست | کلاہ داری و آئین سروری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست | نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
در آب دیدۂ خود غرقہ ام چہ چارہ کنم | کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند
بباختم دل دیوانہ و ندانستم | کہ آدمی بچۂ شیوۂ پری داند
وفائے عہد نکو باشد ار بیاموزی | وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن | که خواجه خود روش بنده پروری داند

زشعر دلکش حافظ کسے شود آگاه
که لطف طبع و سخن گفتن دری داند

واعظاں کیں جلوه بر محراب و منبر می کنند | چوں بخلوت میروند آنکار دیگری کنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس | توبه فرمایاں چرا خود توبه کمتر میکنند
گوئیا باور نمیدارند روز داوری | کیں همه قلب و دغل در کار داور میکنند
بندهٔ پیر خراباتم که درویشان او | گنج را از بے نیازی خاک بر سر میکنند
اے گدائے خانقه باز آ که در دیر مغاں | مے دهند آبے و دلها را توانگر میکنند
حسن بے پایان او چندانکه عاشق میکشد | زمرهٔ دیگر بعشق از غیب سر بر میکنند
خانه خالی کن دلا تا منزل جاناں شود | کیں هوسناکاں دل و جاں جائے دیگر میکنند
آه آه از دست صرافان گوهر ناشناس | هر زماں خر مهره را با در برابر میکنند
بر در میخانهٔ عشق اے ملک تسبیح گوئے | کاندر آنجا طینت آدم مخمر مے کنند

صبحدم از عرش مے آمد خروشے عقل گفت
قدسیاں گوئی که شعر حافظ از بر میکنند

یوسف گم گشته باز آید بکنعاں غم مخور | کلبهٔ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
اے دل غمدیده حالت به شود دل بد مکن | ویں سر شوریده باز آید بساماں غم مخور
دور گردوں گر دو روزے بر مراد ما نگشت | دائما یکساں نباشد حال گرداں غم مخور
هاں مشو نومید چوں واقف نئی زاسرار غیب | باشد اندر پرده بازی هائے پنهاں غم مخور
هر که سرگرداں بعالم گشت و غمخوار نیافت | آخر الامر او بغمخوارے رسد هاں غم مخور

در بیابان گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم | سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور
گرچہ منزل بس خطرناکست و مقصد ناپدید | ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

حافظا در کنج فقر و خلوت شبہاے تار
تا بود وردت دعا و درس قرآں غم مخور

مطرب خوشنوا بگو تازہ بتازہ نو بنو | بادہ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بنو
با صنمے چو لعبتے خوش بنشیں بخلوتے | بوسہ ستاں بکام از و تازہ بتازہ نو بنو
ساقی سیم ساق من نیست ہیم بیار پیش | زود کہ پر کنم سبو تازہ بتازہ نو بنو
بر ز حیات کے خوری گر نہ مدام میخوری | بادہ بخور بیاد او تازہ بتازہ نو بنو
شاہد دلربائے من میکند از برائے من | نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

باد صبا چو بگذری بر سر کوئے آں پری
قصۂ حافظش بگو تازہ بتازہ نو بنو

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولے | ویں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولے
چوں عمر تبہ کردم چندانکہ نگہ کردم | در کنج خراباتے افتادہ خراب اولے
چوں مصلحت اندیشی دور است ز درویشی | ہم سینہ پر آتش بہ ہم چشم پر آب اولے
از ہمچو تو دلدارے دل بر نہ کنم آرے | گر تاب کشم بارے زاں زلف و تاب اولے
من حال دل زاہد با خلق نخواہم گفت | ویں قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولے
تا بے سر و پا باشد اوضاع جہاں زینساں | در سر ہوس ساقی۔ در دست شراب اولے

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو
رندی و ہوسناکی۔ در عہد شباب اولے

خواجہ کے کلام کی مقبولیت

حسد چہ میبری اے سست طبع بر حافظ قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

خواجہ کی غزلیں جس ذوق شوق کے ساتھ جنوبی ہند میں گائی جاتی ہیں اسی جوش خروش کے ساتھ ترکستان کے میدانوں میں انکا راگ گونجتا ہے۔ اور جس طرح دریائے گنگا کے کناروں پر اس کے نغمے اُٹھتے ہیں۔ اسی طرح دریائے ڈینیوب کی موجوں سے اس کے راگ ٹکراتے ہیں۔

گو خواجہ کو گذرے ہوئے آج پانچسو سال سے زیادہ ہوگئے لیکن ان کی غزلیں ابتک ویسی ہی دلکش اور دلفریب ہیں جیسی پہلے تھیں اور اتنی صدیاں گذرنے پر بھی انکی مقبولیت کی نوجوانی پر کسی قسم کا بڑھاپا نہیں چھایا۔ کیونکہ ان کی بنیاد فطرتی جذبات پر ہے۔ یعنے ان جذبات پر جو ہر قوم۔ ہر ملک اور ہر طبقہ کے آدمیوں میں ایکساں پائے جاتے ہیں اس لیے اس کی ہر دلعزیزی میں اس وقت تک فرق نہیں آسکتا جب تک کہ انسان کی فطرت نہ بدل جائے۔

خاص فارس میں تو اس کی مقبولیت کی کوئی انتہا نہیں ہے بادشاہوں اور امرار کے درباروں۔ فقرا اور درویشوں کے جمگھٹوں۔ عوام الناس اور بازاریوں کی محفلوں غرض ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں وہ ایکساں مقبول ہے۔ بچہ بچہ کو سیکڑوں شعر ازبر ہوتے ہیں عورتیں غزلیں کی غزلیں یاد رکھتی ہیں اور گاتی ہیں۔ میڈم لوئیسا لکھتی ہے۔ کہ فارسی کی ایک کتاب "کلثوم ننہ" ہے جس میں وہاں کی مستورات کے مذاقیہ من گھڑت رسم ورواج کے مسئلے لکھے ہوئے ہیں منجملہ انکے ایک یہ بھی ہے۔

"ہر ایک عورت کے لیئے لازم ہے کہ طنبور بجانا سیکھے۔ تاکہ اس کے ذریعے سے طبیعت کی افسردگی اور کلفت کو دور کر سکے۔ اور اس پر حافظ کی غزلیں گائے اگر ایسا اتفاق ہو کہ طنبورہ کسی گھر میں نہ ہو تو صینی یا لکڑی کے کسی تختہ کو بجائے اور گائے" اگر یہ بھی نہیں ہے تو اپنے ہاتھ کہیں نہیں گئے۔ تالیاں ہی سہی"۔ ؎۱

ہم کو تواریخ میں بعض بعض ایسے آدمیوں کے نام بھی ملتے ہیں جن کو خواجہ کا پورا دیوان حفظ تھا مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ موالی لاری جو علامہ دوانی کے شاگرد تھے خواجہ حافظ کا پورا دیوان از بر رکھتے تھے۔

خواجہ نے سچ کہا ہے۔

حافظ حدیث عشق تو از بسکہ دلکش است ‌‌ ‌ نشنید کس کہ از سر رغبت زبر نکرد

مگر ع

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

سب سے زیادہ خواجہ کے کلام کی قدر جس نے کی وہ فارس کے شعرا کا گروہ ہے۔ انہوں نے اس کے راستہ میں خلوص اور عقیدتمندی کا فرش بچھایا اس پر مدح وثنا کے پھول برسائے اعزاز واحترام کے صدر پر اس کو بٹھایا اور اس کی پرستش شروع کی ان کی سیکڑوں غزلوں پر تضمینیں کیں۔ انہیں کی روش اختیار کرنے کی کوشش کی

؎۱ ہم نے یہ کتاب بڑی جستجو سے حاصل کی۔ چھوٹا سا رسالہ ہے۔ شروع سے آخر تک بار بار پڑھا۔ یہ ہدایت اس کتاب میں ضرور ہے لیکن حافظ کی غزل کا ذکر کہیں بھی ہم کو اس کتاب میں نہیں ملا مگر اس میں شبہہ نہیں کہ فارس کی عورتیں حافظ کی غزلیں گاتی ہیں۔

اور انہیں کے قدم بقدم چلنا شروع کیا۔ بابا فغانی۔ صائب۔ نظیری۔ عرفی۔ اور تمام شعرا جو خواجہ کے بعد ہوئے ہیں ان کے دواوین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہر ایک نے اپنے پیش نظر خواجہ ہی کو رکھا ہی اور انہیں کا تتبع کرنا چاہتا ہی مگر حقیقت یہ ہی کہ بقول خواجہ کے ؎

کسیکہ منطق حافظ طمع کند در شعر — ہماں حکایت زردوز و بوریا بافست

زمین و آسمان کا فرق ہی۔

خواجہ کے کلام کی مقبولیت کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہی کہ ہندوستان میں جہاں فارسی زبان بولی نہیں جاتی سینکڑوں شعر ان کے بطور ضرب المثل کے استعمال کیے جاتے ہیں ہم اس موقع پر وہ اشعار درج کرتے ہیں جو بہت مشہور ہیں اور اُردو لکھنے بولنے میں عام طور پر لوگ ان کا استعمال کرتے ہیں۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرفست — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست — بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

راز درون پردہ ز رندان مست پرس — کیں حال نیست زاہد عالی مقام را

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

گرچه بدنامی ست نزد عاقلاں　　ما نمی خواهیم ننگ و نام را

مباش در پۓ آزار و هرچه خواهی کن　　که در شریعت ما غیر ازیں گناهی نیست

چو بشنوی سخن اهل دل مگو که خطاست　　سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

دور مجنوں گذشت و نوبت ماست　　هر کسے پنج روز نوبت اوست

پری نهفته رخ و دیو در کرشمهٔ و ناز　　بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چه بوالعجبی است

مصلحت نیست کہ از پرده بروں افتد راز　　ورنه در مجلس رنداں خبرے نیست که نیست

هر چه هست از قامت ناساز بے اندام ماست　　ورنہ تشریف تو بر بالاے کس کوتاه نیست

رواق منظر چشم من آشیانهٔ تست　　کرم نما و فرود آ که خانه خانهٔ تست

مجو درستی عهد از جهان سست نهاد　　که ایں عجوزه عروس هزار داماد ست

من از بیگانگاں هرگز نه نالم　　که با من انچه کرد آں آشنا کرد

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد   بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست   ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند   چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

صد ملک دل بہ نیم نگہ میتواں خرید   خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو   نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

نخواہد ایں چمن از سرو و لالہ خالی ماند   یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

بسر خدا کہ عارف سالک بکس نگفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس   در بند ایں مباش کہ نشنید یا شنید

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند   آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

بریں رواق زبرجد نوشته اند بزر　　که جز نکوئی اهل کرم نخواهد ماند

بخت حافظ گر ازیں گونه مدد خواهد کرد　　زلف معشوقه بدست دگراں خواهد بود

جنگ هفتاد و دو ملت همه را عذر بنه　　چوں ندیدند حقیقت ره افسانه زدند

آسماں بار امانت نتوانست کشید　　قرعهٔ فال بنام من دیوانه زدند

دست از طلب ندارم تا کام من برآید　　یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

ما قصهٔ سکندر و دارا نخوانده ایم　　از ما بجز حکایت مهر و وفا مپرس

رموز مملکت خویش خسرواں دانند　　گدائے گوشه نشینی تو حافظا مخروش

نه گویمت که همه سال مے پرستی کن　　سه ماه میخور و نه ماه پارسامی باش

در پس آئینه طوطی صفتم داشته اند　　آنچه استاد ازل گفت هماں میگویم

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم　　خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

غالب دیکھیے قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہی — میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھسے دیکھا جائے ہی

خواجہ جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست — اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجتست
غالب جام جہاں نما ہی شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

خواجہ گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مگیر — مجلس وعظ درازست و زماں خواہد شد
قائم مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم — یہ ہی میخانہ ابھی پیکے چلے آتے ہیں

خواجہ بنال بلبل اگر با منت سر یاریست — کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست
رند آ عندلیب ملکے کریں آہ و زاریاں — تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

خواجہ نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند — یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید
برق ایک جاتا ہی تو آتا ہی عدم سے دوسرا — اسکی محفل کا کبھی خالی مکان ہوتا نہیں

خواجہ درد ست درد عشق کہ ہیچش علاج نیست — چندانکہ سعی بیش نمائی بتر شود
مومن مریض عشق پر رحمت خدا کی — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

خواجہ ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست — در حضرت کریم تمنا چہ حاجتست
کسیکا کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے — فقیر ہوں یہ نہیں عادت سوال مجھے

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں　　　طوق زریں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

بردایں دام بر مرغ دگر نہ　　　کہ عنقا را بلند است آشیانہ

بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد　　　گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف　　　مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بسے　　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

گر مسلمانی ہمینست کہ حافظ دارد　　　آہ اگر پس امروز بود فردائے

یہ اشعار جس موقع پر لکھنے یا بولنے میں آجاتے ہیں موتی کی طرح چمکتے ہیں اور کلام کا لطف ایک سے دس گنا ہو جاتا ہی۔

خواجہ کے سینکڑوں مضمون اردو شعرائے اردو زبان میں نقل کیے ہیں خاصکر غالب نے ہم اس موقع پر اس قسم کے چند اشعار بطور مثال کے لکھتے ہیں۔

خواجہ　منکہ ملول گشتمے از نفس فرشتگاں　　　قال و مقال عالمے میکشم از برائے تو
غالب　ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند　　　گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

خواجہ　بخدا کہ رشکم آید کہ نظر کنم بروئیش　　　کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

خواجہ آئین تقوائے ما نیز دانیم | لیکن چہ چارہ با بخت گمراہ
غالب جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد | پر طبیعت ادہر نہیں آتی ہے

خواجہ میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوئے دوست | از غیرت صبا نفسش در دہاں گرفت
سودا چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا | صبا نے مار تماچہ منہ اسکا لال کیا

خواجہ کے کلام کی نسبت رائیں

خواجہ کی زندگی ہی میں اِن کا کلام بے نظیر تسلیم کر لیا گیا اور لوگ ان کو ملہم صوفی خیال کرنے لگے مولانا جامی جن کی ولادت خواجہ کی وفات کے پچیس ہی سال بعد ہوئی ہی۔ اور جو فارسی شاعری کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں۔ ان کو لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کا لقب دیتے ہیں کیونکہ ان کی زبان سے حقیقی عرفان کے راز اور صوفیانہ اسرار اس طرح صفائی اور بے ساختگی کے ساتھ نکلتے ہیں کہ گویا غیب سے القا ہو رہے ہیں۔

مولانا جامی کے علاوہ تمام شعراء فارس خواجہ کے کلام کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ کا خیال کرنا بھی بے ادبی سمجھتے ہیں۔ صائب فارسی غزل گوئی کا چوتھا رکن اور آخری اُستاد تسلیم کیا گیا ہی۔ اس نے خواجہ کی غزل پر غزل لکھی مقطع میں اس طرح عذر خواہی کرتا ہی۔

روا ست صائب اگر نیست از رہ دعوے | تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی است[1]

[1] اے صائب اگر دعوے نہ ہو تو خواجہ کی غزل پر غزل کہنی جائز ہے۔ اگرچہ یہ بھی بے ادبی ہے۔

سلیم طہرانی لکھتا ہے۔

سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باش　　　که نشه بیش بود در شراب شیرازی

اے سلیم خواجہ حافظ کے اشعار کا معتقد رہ کیونکہ شیراز کی شراب میں نشہ زیادہ ہوتا ہے

مغرور شاعر عرفی جو تمام شعرار فارس کو اپنے نزدیک ہیچ سمجھتا ہے چنانچہ قصیدہ

گویوں کے بادشاہ حسان العجم خاقانی کے متعلق کہتا ہے ؎

زمانه بین که مرا جلوه داد تا از رشک　　　بداغهائے پس از مرگ سوخت خاقانی

دیکھ جب سے زمانہ نے مجھکو شہرت دی رشک کے داغوں سے مرنیکے بعد بھی خاقانی جل اُٹھا

ظہیر فاریابی کا مذاق اُڑاتا ہے ؎

ازاں ز دست ہنرہائے خود ہمی نالم　　　که بر ظہیر ازیں شیوه ہیچ در نکشاد

میں اس لئے اپنے کمالات سے نالاں ہوں کہ ظہیر پر اس فن کا کوئی دروازہ نہیں کھولا گیا

انوری جو کہ فارسی شاعری کے تینوں پیغمبروں میں سے ہے۔

در شعر سہ کس پیمبرانند　　　فردوسی و انوری و سعدی

اس کے متعلق کہتا ہے ؎

تفرجیکه من از بہر روح سازد ہم　　　نه انوری نه فلانی دہد نه بہمانی

جو خوشی کہ میں روح کے لئے تیار کرتا ہوں وہ نہ انوری تیار کرسکتا ہے نہ کوئی اور دوسرا

ہندوستان غریب نے ایک شاعر ابتک پیدا کیا ہے۔ یعنی خسرو اس کو بھی اپنا ذلہ خوار

بنانا چاہتا ہے ؎

بروح خسرو ازیں فارسی شکر دادم　　　که کام طوطی ہندوستان شود شیریں

خسرو کی روح کو اس فارسی سے میں نے شکر دی کہ طوطی ہندوستان کا بھی منہ میٹھا ہو جائے۔

اور تو اور غزل گویوں کے پیر و مرشد شیخ سعدی جیسے بزرگ کو بھی تو اُس نے نہیں چھوڑا کہتا ہی ؎

نازش سعدی بمشت خاک شیراز از چہ بو　　گر ندانستے کہ گردد مولد وماوائے من

شیراز کی ایک مشت خاک پر سعدی کیوں ناز کرتا۔ اگر اس کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ میرا مقام اور وطن ہوگا

مگر خواجہ کے سامنے ادب سے گردن جھکا دیتا ہی اور سر تسلیم خم کرکے کہنے لگتا ہی۔

بگرد مرقد حافظ کہ کعبۂ سخن است　　درآمدیم بعزم طواف در پرواز

حافظ کے مزار کے اردگرد جو کہ شاعری کا کعبہ ہی طواف کے ارادہ سے ہم نے اُڑنا شروع کیا۔

عرفی۔ نکتہ چیں عرفی۔ خود پسند عرفی کا خواجہ کے مرقد پاک کو کعبۂ سخن کہنا ایسے کئی دفتروں سے زیادہ ہی جو ان کی تعریف میں لکھے جائیں۔ ایک فارسی کا شاعر جس کا نام معلوم نہ ہوسکا کہتا ہی ؎

حافظ کہ لسان غیب آمد　　در گلشن جاں کسیب آمد

حافظ کہ لسان الغیب ہی (انکا کلام) باغ جاں کے لئے بمنزلہ آب رواں کے ہی

ناکردن احترام شعرش　　درمعرض عقل عیب آمد

اس کے اشعار کی عزت اور قدر نہ کرنا عقل کے نزدیک بُرا ہے

نہ صرف شعرا بلکہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں نے ہر ملک اور ہر قوم کے سخن شناسوں نے خواجہ کے کلام کے حسن پر مدح و ثنا کے پھول نثار کیئے اور تعریف و توصیف کے نغمے گائے ؎

نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم وبس　　کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

مولانا سودی فرماتے ہیں۔

حافظ کا کلام نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے وہ آب حیات میں نہایا ہوا ہے اور خوبصورتی میں بہشتی حور کے برابر ہے۔

کپتان کلارک مدح سرائی کرتا ہے۔

فردوسی کی فصیح و بلیغ رزمیہ اور سعدی کی پاکیزہ اخلاقی شاعری بے شک ایک اونچے درجہ کی مستحق ہے لیکن حافظ کا کلام ان سے بھی بہت زیادہ بلندی کا حقدار ہے۔

اس کے تمام کلام میں ایک جدت کی روح ہے۔ وہ سوائے ان خیالات کے جن کا صحیح فطرت اقتضا کرتی ہو اور کوئی خیال اپنی شاعری میں نہیں آنے دیتا وہ تصنع اور بناوٹ سے جس سے کلام کی خوبی میں نقص واقع ہو سخت نفرت کرتا ہے۔

دنیا کے کسی ملک میں کبھی کوئی ایسا عالی دماغ اور طبّاع شاعر نہیں پیدا ہوا۔

جدت جو اہل کمال کا خاصہ ہے۔ اس کے اندر اس قدر ہے کہ لوگ اس کو ملہم خیال کرتے ہیں اس کے اشعار لطافت۔ سادگی۔ غیر مصنوعی شاعرانہ رنگینیوں اور زبردست جذبات سے لبریز ہیں۔ گرمی۔ متانت۔ اور زندہ دلی اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ وہ زمانہ کا انقلاب دنیا کی بے ثباتی ریاکاری کا فریب دکھاتا ہے۔ خالق کی عظمت۔ جوانی کی خوشی مذہب کی وسعت اور محبت کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اس کے اشعار دلکش بے نظیر اور لاثانی اسلوب بیان رکھتے ہیں۔ اس کی غزلیں رذالت۔ پست ہمتی اور خود پسندی سے مبرا ہیں۔

ان کا طرز ادا بے انتہا انوکھا ہی۔ اور وہ مصنوعی ظرافتوں۔ مشکل بندشوں اور بعید از قیاس استعاروں سے پاک وصاف ہیں۔ ان میں سوز بھی ہی اور شوخی بھی تعریف بھی ہی اور شکایت بھی جس طرح وہ ولولہ انگیز ہیں اسی طرح پر تمکنت ہیں اُن کا اسلوب بیان بے عیب دلنشیں اور نہایت بلیغ ہی کسی شعر سے ایک لفظ کا گھٹانا ایک حسن کا کم کر دینا ہی اس کا ہر ہر شعر جادو ہی۔ زبان صاف ستھری شیریں اور خوشگوار ہی۔

اس کے شعروں کی روانی اور سلاست پڑھنے والے کو خواہ وہ زاہد ہو یا رند مسرور کیئے بغیر نہیں رہ سکتی نوجوان ان کو اپنے جوانی کے ایام مزے میں گزرنے کے لیئے سند سمجھتا ہی اور گوشہ نشین زاہد اُن کو عرفان کے اسرار کا مرقع خیال کر کے دعاؤں کی طرح پڑھتا ہی۔

چارلس اسٹورٹ لکھتا ہی۔

حافظ ایران کے تمام شاعروں میں فطرتی جذبات کا سب سے زیادہ رازداں ہی اس کا کلام صرف کلام الٰہی سے کم درجہ کا اور باقی سب سے بہتر خیال کیا جاتا ہی وہ سادہ اور لطیف ہی اور تصنع اور خود پسندی سے پاک ہی بعض بعض اشعار میں جو فخر و مباہات کی جھلک نظر آتی ہی۔

ان کو خود پسندی نہیں کہہ سکتے۔ ہر شخص جس کا مذاق صحیح ہی سمجھ سکتا ہی کہ یہ سخن گسترانہ شوخیاں اور شاعرانہ کللیں ہیں

مسٹر براؤن سعدی کے متعلق لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

سعدی کی غزلیں نہایت دلچسپ اور دلفریب ہیں اور سوائے اس کے ہم وطن

حافظ کی غزلوں کے اور کسی سے کم درجہ نہیں رکھتیں۔

بکنل تعریف کرتا ہی۔

حافظ زندہ دلی کے ساتھ عشق و محبت کے جذبات بیان کرتا ہی۔ اس کا فطرتی اور برجستہ کلام دل آویز تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ دنیا کے علم ادب میں ایک نہایت ممتاز درجہ رکھتا ہی۔ اس کی خاص سلطنت میں کوئی اس کا ہمپایہ نہیں ہی۔ اس کے کلام میں گو بے انتہا آزادی اور خوشی ہی مگر کہیں الحاد کا رنگ نہیں پایا جاتا اس کی خوشی کے ساغر میں دہریت کی تلخی مطلق نہیں ہی۔ اس پر جس طرح ایشیا شیدا ہی اسی طرح یورپ بھی مفتوں ہی۔

ڈاکٹر گاٹیل لکھتے ہیں۔

حافظ کا دماغ روحانی سرزمین میں چکر لگاتا ہی جب ہم اس کے کلام کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ اس وقت یہ بتانا بہت ہی مشکل ہی کہ آیا وہ مورتیں جن کی وہ تعریف کرتا ہی گوشت اور خون کی بنی ہوئی ہیں یا روحانی ہیں جن پر ایک پراسرار پردہ پڑا ہوا ہی۔

مسٹر اوسلی کا قول ہی۔

حافظ کا کلام نہایت صاف اور سادہ شیریں اور ترنم ریز ہی وہ مخفی جذبات اور حقیقی اسرار سے لبریز ہی۔ مگر ان سب سے بڑھکر اس کا وہ بلند اسلوب بیان ہی جس کی برابری آج تک کسی سے نہ ہوسکی۔

الغرض خواجہ کا کلام ایک ہرا بھرا اور پھولا پھلا باغ ہی جو اس کی سیر کرتا ہی اس کے دل و

دماغ کو فرحت اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اور جو اس میں آتا ہے اس کی خوبیاں دیکھکر محو ہو جاتا ہے اور بے ساختہ اس کی زبان سے تعریف نکلتی ہے۔

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ — کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

ہم نے یورپین مصنفین کی رائیں صرف اس لیے نقل کی ہیں کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یورپ میں خواجہ کے متعلق ادیبوں کے کیا خیالات ہیں۔ اور وہ اُن کے کلام پر کسقدر فریفتہ ہیں۔ ورنہ خواجہ کے کلام کی مقبولیت اور وقعت ان سب تعریفوں سے بلند تر ہے اور ایشیا والوں کے لیئے ان کے کلام کی عظمت اور ان کی شاعری کا کمال ثابت کرنے کے واسطے ان رایوں کی ضرورت نہیں ہے ؎

گوہر پاکِ تو از مدح و ثنا مستغنی است — فکر مشاطہ چہ با حسن خدا داد کند

چند روز ہوئے ہماری ملاقات ایک یورپین عالم سے ہوئی اثنائے گفتگو میں حافظ کا تذکرہ آیا۔ اس نے کہا کہ حافظ تو بہت بڑا شاعر ہے۔ اور یورپ میں اس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ ہماری زبان میں متعدد ترجمے اس کے دیوان کے ہوئے ہیں اور ان کو اکثر لوگ پڑھتے ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ ایشیا کے لوگ اس کی اتنی قدر نہیں کرتے۔

ہم نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ یورپ کو اب حافظ کے ساتھ ذوق ہو چلا ہے اور وہاں کے لوگ اس کی قدر کرنے لگے ہیں۔ اور حافظ کے کلام میں ایسی خوبیاں اور دلچسپیاں موجود ہیں کہ تمام دنیا اس کی قدر کرے گی مگر آپ کا یہ فرمانا کہ ایشیائی کے لوگ اس کی اتنی قدر نہیں کرتے غلط ہے۔ قدر کیا ایشیا میں تو اس کے کلام کی پرستش ہوتی ہے ؎

اے گل تو دوش داغ صبوحی کشیدۂ — ما آں شقائقیم کہ با داغ زادہ ایم

اصلیت یہ ہے کہ خواجہ کے کلام کا حسن ایشیا والوں کے لیے بے نقاب ہے وہ بے پردہ

اس کا جلوہ دیکھتے ہیں مست ہوتے ہیں۔ وجد کرتے ہیں۔ بخلاف اہل یورپ کے کہ مذاق اور زبان کے اختلاف کا پردہ بیچ میں حائل ہے اور وہ ترجمہ کی عینک سے اس کا نظارہ کرتے ہیں جس سے ایک دھندلی سی تصویر اس کے حسن کی ان کو نظر آتی ہے۔ مگر باوجود اس کے ان کی ہمت پر آفریں ہے کہ وہ علم پرستی کے ذوق میں سرگرمی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں ؎

ہمت مرغ سحر خواں کا ہوں قائل کہ اُسے نالہ سے زمزمہ مقصود ہے تاثیر نہیں

خواجہ کے کلام کا اثر

ارسطو نے شاعری کو بھی منطقی دلائل کی فہرست میں درج کیا ہے۔ یعنی جس طرح مختلف قسم کی دلیلوں سے نتیجے ثابت ہوتے ہیں اور ان میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ انسان کو کسی بات کے تسلیم کرنے پر مجبور کریں اسی طرح شاعری میں بھی یہ طاقت ہے۔

شاعری شراب سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ شراب انسان کے دماغ پر اپنا اثر ڈالکر اس کو مدہوش بنا دیتی ہے۔ اسی طرح شاعری بھی اپنا اثر ڈال کر بیخود کر دیتی ہے۔

ہر قوم کی شاعری کا ایک اندرونی اثر جس کا ظاہر میں احساس نہیں ہوتا۔ آہستہ آہستہ اس پر ہوتا رہتا ہے اور جس قوم کی شاعری میں جیسے خیالات ہوتے ہیں اس قوم کے اخلاق و عادات میں ویسی ہی ان کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

عربوں کی شاعری۔ بہادری۔ فیاضی۔ خودداری اور مہمان نوازی وغیرہ کے خیالات سے لبریز ہے۔ چنانچہ یہ اوصاف بھی ان میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔

چونکہ فارسی شاعری میں زیادہ تر حسن پرستی کے خیالات ہوتے ہیں اس وجہ سے لوگوں کا یہ خیال ہی کہ اس کا اثر انسان کے اخلاق پر اچھا نہیں پڑتا خاصکر نوجوانوں کے حق میں یہ نہایت ہی مضر ہی۔ اور خواجہ کا دیوان چونکہ بادۂ شاعری کی روح ہی۔ اسلئے وہ اور بھی زیادہ جلد پڑھنے والے کو مست اور متوالا بنا دیتا ہی اور نوجوانوں کا دل و دماغ اس کے برداشت کی مطلق طاقت نہیں رکھتا۔

چنانچہ یہ مشہور ہی کہ شہنشاہ عالمگیر نے ممانعت کردی تھی کہ کوئی اس کو نہ پڑھے کیونکہ عوام الناس صرف اس کے ظاہری معنی سمجھکر گمراہ ہوتے ہیں اور اس کے حقیقی مقصد اور صوفیانہ اسرار کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

مگر اس کے ساتھ ہی جہاں پنا ایک نسخہ دیوان کا ہر وقت اپنے سرہانے رکھتے تھے ہمارے ایک ستم ظریف دوست کا مقولہ ہی کہ فارس کو دستوری نہیں جمہوری سلطنت بھی ملجائے لیکن جب تک وہاں دیوان حافظ اور شراب موجود ہی اس وقت تک وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ بھلا جس ملک میں اس قسم کے شعروں کا

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ۔۔۔ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

رموزِ مملکت خویش خسروان دانند ۔۔۔ گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

دن رات چرچا ہو وہاں کے لوگوں میں ذمہ داری برداشت کرنے کی قابلیت کیونکر پیدا ہو سکتی ہی

مولنا حالی حیات سعدی میں لکھتے ہیں

خواجہ حافظ کی غزل مجالس اور محافل میں سب سے زیادہ گائی جاتی ہی

اور اُس کے مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں
کی ترغیب دیتی ہی۔ عشق حقیقی کے ساتھ عشق مجازی اور صورت پرستی وکام
جوئی کو بھی وہ دین و دنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل بتاتی ہی۔ مال و
دولت علم وہنر نماز روزہ۔ حج زکوٰۃ۔ زہد۔ تقویٰ۔ غرضکہ کسی شے کو نظرباز
اور شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھیراتی وہ عقل وتدبیر۔ مآل اندیشی تمکین ووقار
ننگ و ناموس جاہ ومنصب وغیرہ کی ہمیشہ مذمت کرتی ہی اور آزادگی۔ رسوائی
بدمستی۔ بے سروسامانی وغیرہ کو جو کہ عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں
سے بہتر ظاہر کرتی ہی۔ دولت دنیا پر لات مارنا عقل وتدبیر سے کبھی کام
نہ لینا توکل وقناعت کے نشہ میں اپنی ہستی مٹا دینا۔ اور جوہر انسانیت
کو خاک میں ملا دینا۔ دنیا ومافیہا کے زوال وفنا کا ہر وقت تصور باندھے
رکھنا۔ علم وحکمت کو لغو ولوچ اور حجاب اکبر جاننا حقائق اشیا میں کبھی غور و
فکر نہ کرنا کفایت شعاری اور انتظام کا ہمیشہ دشمن رہنا۔ جو کچھ ہاتھ لگے
اس کو فوراً رائیگاں کھو دینا اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں اس سے
مستفاد ہوتی ہیں ظاہر ہی کہ یہ تمام مضامین ایسے ہیں جو ہمیشہ بے فکروں
اور نوجوانوں کو بالطبع مرغوب ہوتے ہیں اور کلام کا سادہ اور عام فہم
ہونا اور شاعر کی فصاحت وبلاغت اور مطرب ورقاصہ کی خوش آوازی
اور حسن وجمال اور مزامیر کے لیئے ان کو لے اُڑتی ہی اور ان کی تاثیر
کو دس بیس گنا کر دیتی ہی اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین
کو یہ اعتقاد بھی ہو کہ اس کلام کے قائل اکابر صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں

جن کی تمام عمر حقائق اور معارف کے بیان کرنے میں گذری ہو اور جن کا شعر شریعت کا لب لباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہو تو یہ مضامین اور بھی دلنشیں زیادہ ہو جاتے ہیں۔

یہاں تک نقل کرنے کے بعد یکایک دیدۂ خیال کے سامنے خواجہ کی نورانی شکل آگئی جو مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ؎

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو | نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

میں نے سوچا کہ شاعری کو عمل کرنے کے لیئے کوئی نہیں پڑھتا بلکہ جذبات کی تیغ کو سان پر رکھنے کے لیئے اس کا مطالعہ کیا جاتا ہو۔ شاعری روحانی لطیف جذبات کی غذا ہو۔ جس طرح سُریلی آواز سے روح کو سرور ہوتا ہو۔ اسی طرح اچھے اشعار سے اس کو بالیدگی ہوتی ہو۔ بعض وقت صرف ایک شعر سے روح کو ایسا لطف حاصل ہو جو بدون اس کے ممکن ہی نہ تھا۔ اور خواجہ کی شاعری کی اصلی بنیاد صرف ایک جذبہ پر ہو یعنی محبت پر۔ وہ محبت جو دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہو۔ وہ جس سے انسان مجسم نور بنجاتا ہو۔ جس سے اس کی پرستش ہونے لگتی ہو۔

اسی محبت کو وہ شراب سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کی تعریف سے ان کا تمام دیوان لبریز ہو۔ ان کا تمام کلام حقیقت و عرفان کا پنجہ ڑا اور سلوک و تصوف کی جان ہو اس میں ہزارہا بیش قیمت اسرار ہیں۔ خاصکر اہل دل کے لیئے تو وہ روحانی شراب ہو وہ اس پر جان و دل سے فریفتہ ہیں اور نہ صرف مسلمان بلکہ غیر قوم کے لوگ بھی مہرشی دیوندرا ناتھ ٹھاکر جی اپنے معتقدوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ وہ دیوان کو مطالعہ میں رکھیں اور خود وہ جس زمانہ میں کوہ ہمالیہ میں تپشیا اور ریاضت میں مصروف

تھے تو یہی دیوان ان کا انیس وہمدم تھا۔

ایسا نفیس کلام جس سے ہر مذہب و ملت کے برگزیدہ لوگ روحانی سرور حاصل کریں۔ اکابر مشائخ اور صوفیہ کرام اس کو آب حیات سمجھیں۔ شاعر اور ادیب اس پر جان دیں۔ اگر سادہ لوحوں پر اس سے اچھا اثر نہ پڑے تو کیا اس کلام کی وقعت میں کچھ بھی فرق آسکتا ہے؟

کیا یوسف کے حسن کی قدر اس سے کچھ بھی کم ہوسکتی ہے کہ اس نے زلیخا کو رسوا کیا

اصلیت یہ ہے کہ غزلیں عام طور پر محض بوالہوسی اور عشق مجازی کے جذبہ کو برانگیختہ کرتی تھیں لیکن سعدی اور حافظ وغیرہ نے ان میں عشق حقیقی کی بھی روح پھونکی۔ اور اپنی وجدانی کیفیات اور غیبی واردات کو گل و بلبل اور مے و ساقی کے افسانے میں ادا کیا تاکہ عوام کو بھی اس سے دلچسپی رہے۔ اور ان کے جذبات پاکیزہ ہوں۔ کیونکہ کنایہ ہمیشہ تصریح سے زیادہ موثر ہوتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

اُنھوں نے غزل کو جہاں وہ ہوس پرستی کا ذریعہ تھی۔ روحانی پاکیزگی کا وسیلہ بنا دیا اور بادہ انگور کو شراب طہور کر دیا۔

مولانا حالی نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ حافظ کی غزلوں کو قوم کے لیے خطرناک خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں

خواجہ حافظ کی غزل کی ممارست اور مزاولت سے بیشک ابرار و احرار کے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور توکل و استغنا و قناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اوباش و الواط کو بے فکری۔ ناعاقبت اندیشی

عشقبازی۔ بدنامی ورسوائی کی ترغیب ہوتی ہے اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پہلی تاثیر بھی ویسی ہی خانہ برانداز اور خانماں سوز ہے جیسی دوسری۔

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا شاعرانہ جذبات کے مار ڈالنے سے قومیت زندہ ہوتی ہے کیا قومی زندگی صرف ایک خشک زندگی کا نام ہے۔ ہم نے خود خواجہ سے سوال کیا کہ فرمایئے قوم کا مبصر آپ کی شاعری کو قومیت کے لئے سم قاتل بتاتا ہے آپ کیا کہتے ہیں؟ خواجہ نے جواب دیا ؎

گویند رمز عشق مگوئید و مشنوید ۔۔۔ مشکل حکایتیست کہ تقریر مے کنند

حقیقت یہ ہے کہ شاعرانہ جذبات قومیت کے لئے زیور ہیں۔ قومیت خود ایک شاعرانہ جذبہ کا نام ہے۔

ہم نے مانا کہ قوم کے پیٹ کو اس وقت علوم و فنون سے بھرنے کی ضرورت ہے اور شاعری یا موسیقی وغیرہ جو دماغی آسائش کی چیزیں ہیں آسودہ حالی اور فارغ البالی میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن کیا موتی محض اس لئے کہ کھائے نہیں جاتے پائمال کردیئے جائیں۔ نہیں ان کی قدر کرو کیونکہ حسینوں کے گلے کی زینت ہیں اور شاہانہ تاجوں میں چلتے ہیں۔

فالیں

سرخی لکھنے کو تو لکھدی مگر شبدیز قلم ابھی اس میدان میں قدم بھی نہ رکھنے پایا تھا کہ دل نے زور سے اس کی لگام کھینچلی اور کہا کہ ہیں!! فالیں! مسلمان

کہیں فالوں پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔

میں ہزاروں آدمی دیوان حافظ میں فالیں دیکھتے ہیں۔ ان کو مانتے ہیں پھر حافظ کا سوانح نگار اس مقبول عام اور دلچسپ عنوان کو کیونکر چھوڑ سکتا ہے۔

دل کوئی عقیدہ رکھا کرے ہمیں اس سے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے شخص ہیں جنہوں نے نجومیوں کو جھٹلایا اور فرمایا کذب المنجمون ورب الکعبۃ (خدا کی قسم نجومی جھوٹے ہوتے ہیں) بھلا سوچو تو سہی کہ غیب کی بات بھی کوئی بتا سکتا ہے قرآن شریف میں ہے۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔ (اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا) مسلمانوں کو ممانعت کی گئی ہے کہ وہ فال اور شگون نہ لیا کریں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ پیغمبر صاحب نے سچے مسلمانوں کی ایک علامت یہ بھی بتائی ہے کہ وھم لا یتطیرون (وہ شگون نہیں لیتے۔)

میں مگر میں تو ادبی دلچسپی کے خیال سے لکھنا چاہتا ہوں مجھ سے پہلے کئی مصنفوں نے اسی عنوان پر کتابیں لکھی ہیں میں ہی اس بدعت کی بنیاد نہیں ڈالتا۔

دل غلطی کتنے ہی آدمیوں سے ہو پھر بھی وہ غلطی ہے۔ رہی ادبی دلچسپی۔ سو جو لوگ کچے عقیدے کے ہیں وہ اس کا کب خیال کریں گے۔ تمہاری تو ادبی دلچسپی ہوگی اور وہاں عقیدے بگڑ جائیں گے۔

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

میں مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عوام کے خیال سے خواص کو بھی جو عقل و فہم رکھتے ہیں اس لطف سے محروم رکھوں مجھے کسی کے عقیدہ سے کیا واسطہ اپنے کام سے کام ہے

تاریخ نویسی کے قانون کے مطابق اس موقع پر مجھ پر فرض ہی کہ اس عنوان پر کچھ ضرور لکھوں۔

دل لوگوں کے عقیدے کو خراب کرنا قطعاً ناجائز ہی اور سراسر خلاف شرع ہی۔

میں اچھا لاؤ خود دیوان حافظ میں دیکھیں خواجہ بھی اس کو خلاف شرع بتاتے ہیں یا نہیں۔

دل ہیں! خلاف شرع بات پر اصرار کرنا سخت گناہ ہی

میں خیر دیکھنے میں کیا ہرج ہی دیوان کھولتے ہی یہ شعر نظر پڑا۔

بیا تا در صف رندان بیانگ چنگ مے نوشیم — کہ ساز شرع زیں افسانہ بیقانوں نخواہد شد

آؤ ہم رندوں کے جھگٹے میں چنگ بجا کر شراب پئیں۔ کیونکہ شریعت کا باجا ان باتوں سے بےسُرا نہیں ہوگا

دل یہ بھی اتفاق کی بات ہی۔ اس کی پیروی کرنی ہرگز مناسب نہیں ہی قرآن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہی۔ الشعراء یتبعہم الغاؤن (شاعروں کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں)

میں اب تو بفتوائے حافظ میں ضرور لکھونگا۔

دل نہیں نہیں ہرگز نہیں کیا فائدہ محنت بھی کرو اور گنہگار بھی بنو۔

میں ہر کام کی سزا و جزا نیت کے مطابق ہوتی ہی۔

دل یہ مانا۔ لیکن قصداً ایسا کوئی کام کرنا جس سے خلقت خدا توہم پرستی میں مبتلا ہو جائے بہت بڑا گناہ ہی اور ایسا شخص شیطان ہی

میں اچھا آپ جبریل بنے بیٹھے رہیے اور مجھے لکھنے دیجئے۔ ع 11

چل رے خامہ بسم اللہ

اسلام سے پیشتر دنیا کی تمام قوموں میں فال اور شگون لینے کا رواج تھا۔ اہل روم بھی جو اس زمانہ میں تمدن اور شائستگی میں بلند ترین درجہ رکھتے تھے اس میں مبتلا تھے۔ اور وہ بھی جاہل عربوں کی طرح چڑیوں کے اڑنے سے اور ان کی آواز سے شگون لیتے تھے بہت سے لوگ اس غرض کے لیئے نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جاتے تھے۔

عام عیسائی قوموں میں کتاب مقدس سے بھی فال نکالنے کا رواج تھا اور چونکہ ہیومر کی الیڈ اور ڈیسی دونوں کتابیں بھی ان میں بیحد مقبول تھیں وہ لوگ ان سے بھی فالیں نکالا کرتے تھے ان کی خوش اعتقادی یہانتک بڑھ گئی تھی کہ بڑے بڑے حاذق طبیب لاعلاج مریضوں کے سرہانے ہر رات کو ایک ایک حصہ الیڈ کا رکھواتے تھے اور اس کی برکت سے شفا کی امید رکھتے تھے۔

اسلام کے نور نے جہاں تمام توہم پرستی کی ظلمتوں کو مٹا دیا وہاں فال اور شگون کے مشغلہ کو بھی بے حقیقت کر دیا۔ مگر انسان میں جہاں بہت سی کمزوریاں ہیں وہاں ایک یہ بھی کمزوری اس کے اندر ہے کہ وہ اپنے آیندہ حالات کے جاننے کا بڑا شائق ہوتا ہے خاصکر جب وہ کوئی ارادہ یا کام کرتا ہے تو اس کے انجام اور نتیجہ کے دریافت کرنے کا ہر وقت اس کو خیال رہتا ہے۔ اور گو وہ کیسا ہی پختہ عقیدہ کا ہو اور اس بات پر کامل یقین رکھتا ہو کہ غیب کا علم کسی مخلوق کو ہو نہیں سکتا مگر جب اپنے متعلق کسی پیشین گوئی کو سنتا ہے تو ضرور دلچسپی لیتا ہے۔ چنانچہ ابھی اسلام کو دو صدیاں بھی نہ گزرنے پائی تھیں کہ خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں ہندوستان کے جوتشی پہنچے اور ان کی وجہ سے عربوں کو پھر فال شگون اور اچھی بری ساعت دیکھنے کا چسکا پڑ گیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ بیماری تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔

خاصکر فارس میں استخارہ فال اور شگون وغیرہ کا بہت ہی زیادہ رواج تھا سعدی اور حافظ کے کلام میں جابجا اس کا ذکر ہی۔ بعض بعض شعروں سے معلوم ہوتا ہی کہ خواجہ حافظ خود بھی فال نکالا کرتے تھے مثلاً۔

از غم دور دمکن نالہ و فریاد کہ دوش — زدہ ام فالے و فریادرسے مے آید

روز ہجراں و شب فرقت یار آخر شد — زدم این فال و گذشت اختر و کار آخر شد

بہت سے لوگ قرآن سے فال نکالتے تھے۔ بعضوں نے یہ سوچکر کہ قرآن کا درجہ اس سے بلند ہی اور اس سے فالیں نکالنی بے ادبی ہی مولانا روم کی مثنوی اور شیخ سعدی کی بوستان کو اس کام کے لیے منتخب کیا۔ مگر دیوان حافظ سب سے زیادہ موزوں خیال کیا گیا۔

اس کی وجہ یہ ہی کہ خواجہ کی شاعری کو انسان کے عام معاملات سے بہت زیادہ تعلق ہی۔ کیونکہ اُنھوں نے روزمرہ کے واقعات مشاہدات اور پیش نظر چیزوں سے شاعرانہ خیالات اخذ کئے ہیں۔ اس لیے جو سوالات انسانی معاملات کے متعلق کئے جاتے ہیں اُن کے جواب میں اکثر مناسب اشعار نکل آتے ہیں۔

علاوہ بریں چونکہ ان کے اشعار عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں کا پہلو رکھتے ہیں اس لیئے ان کے معانی میں بہت بڑی وسعت ہوتی ہی۔ اور طرح طرح کی تاویلوں کی گنجایش نکل سکتی ہی۔ اور فال دیکھنے والا ہیر پھیر کر اپنی منشا کے مطابق اس میں معنی پہنا سکتا ہی۔

ایک بات یہ بھی ہی کہ خواجہ کے اشعار بے نظیر ہیں اور جب کسی سوال کے جواب میں ان کا کوئی شعر نکلتا ہی تو اپنے انوکھے طرز بیان سے دل میں کھب جاتا ہی اور فال

کی دلچسپی کو بڑھاتا ہی۔

اس کے ساتھ ہی خواجہ چونکہ بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ تھے اور ان کے کلام پر صوفیانہ تقدس کا غلاف چڑھا ہوا ہے اس لیئے عوام الناس ان کے روحانی تصرف کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کا معتقد خاص پنڈت خوشگو کہتا ہی کہ

میں نے سوچا کہ کیا وجہ ہی کہ خواجہ سے جس بات کا سوال کیا جاتا ہی اسکا جواب نہایت ٹھیک دیتے ہیں۔ اسکے لیئے بھی میں نے دیوان میں دیکھا مجکو یہ شعر ملا ؎

معجز است ایں شعر یا سحر حلال ہاتف آرد ایں سخن یا جبرئیل

میں سمجھ گیا کہ بے شک خواجہ کی شاعری میں کوئی غیبی آواز شامل ہی۔

الغرض ان تمام وجوہات سے دیوان حافظ میں پوری قابلیت اس بات کی موجود تھی کہ لوگ اس سے تفاؤل کریں **نظیری نیشاپوری** کہتا ہی۔

حسب حال خود کس از مجموعہ ہائے نخواند حافظ شیراز ادیوان فرخ فال کو

چنانچہ لوگوں نے کثرت کے ساتھ اس سے تفاول کرنا شروع کیا۔ اور بہت سے لوگوں نے ان فالوں کو کتاب کی شکل میں جمع کیا۔ **حاجی خلیفہ** کشف الظنون میں لکھتا ہے کہ **محمد بن شیخ محمد** ہردی نے ایک رسالہ لکھا ہی جس میں خواجہ حافظ کے لسان الغیب ہونے کا ثبوت دیا ہی۔ اور ان کے دیوان کی بہت سی فالیں جو مناسب موقع کے واقع ہوئی ہیں۔ اس میں جمع کی ہیں "پھر آگے لکھتا ہی" **مولانا حسین کفوی** متوفی سنہ ۹۸۰ھ نے بھی اسی قسم کی ایک کتاب ترکی زبان میں لکھی ہی"

اس کی ابتدا یوں بیان کی جاتی ہی۔ کہ جب خواجہ کا انتقال ہوا تو بعض علما نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے انکار کیا۔ **شاہ منصور** بھی جنازے میں شریک تھا اس نے

سبب دریافت کیا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ حافظ کا کلام ملحدانہ ہی اس لیئے ان کے جنازے کی نماز جائز نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا ثبوت ہی؟ انہوں نے کہا کہ کلام منگایا جائے تو ہم الحاد ثابت کر سکتے ہیں۔ اسی وقت ان کی غزلوں کے مسودے منگائے گئے۔ پہلا ہی ورق جو اُٹھایا تو اس میں یہ شعر نکلا۔

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ | کہ گرچہ غرق گناہست میرود بہشت

حافظ کے جنازہ سے قدم نہ روکیے کیونکہ وہ اگرچہ گناہ میں غرق ہی لیکن بہشت میں جا رہا ہے

اس تائید غیبی کو دیکھکر سب خاموش ہو گئے اور بلا چون و چرا جنازہ کی نماز ادا کی۔ اسی دن سے خواجہ کا نام لسان الغیب رکھا گیا اور لوگ اُن کے دیوان سے تفاول کرنے لگے۔

لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکا خواجہ کو لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کا خطاب سب سے پہلے مولانا جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس میں جو ۸۷۵ھ میں لکھی گئی ہی دیا ہی مگر اس لیے نہیں کہ وہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ کیونکہ مولانا جامی نے خود ہی اپنی دوسری کتاب بہارستان میں جو ۸۹۲ھ میں اُنھوں نے لکھی ہی لسان الغیب کے لقب کی اس طرح تشریح کی ہی کہ حافظ کے اشعار بلا تکلف اس صفائی کے ساتھ ان کی زبان سے نکلتے ہیں کہ گویا عالم غیب سے القا ہو رہے ہیں۔

مگر مولانا آزاد بلگرامی کی جو تفاول کے معاملہ میں نہایت خوش اعتقاد ہیں اس معنی سے تسلی نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ خواجہ کے لسان الغیب کہنے کی یہ بھی وجہ ہی کہ وہ غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں چنانچہ وہ خواجہ کی تعریف میں کہتے ہیں۔

مرداں زخاک ہم خبرِ آسماں دہند　　فال کلام حافظ شیراز کن لحاظ

ہندوستان کے بادشاہوں میں ہمایوں اور جہانگیر فالوں کے بڑے معتقد تھے اور زیادہ تر دیوان حافظ سے تفاؤل کیا کرتے تھے ایک نسخہ دیوان حافظ کا جو ہمایوں اور جہانگیر کے پاس بھی رہا ہے اب بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ان دونوں شہنشاہوں نے اپنی کئی فالیں اور یادداشت جو اُنھوں نے دیوان سے نکالی تھیں مع سنہ و تاریخ کے اس کے حاشیہ پر اپنے قلم سے لکھی ہیں۔ ہم مولوی عبدالمقتدر صاحب کے خاص طور پر شکر گزار ہیں جنھوں نے نہایت جستجو اور تحقیق کے ساتھ تواریخ سے مطابقت دیکران کی تفصیل دریافت کی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو لکھا۔

ہمایوں نے شیر شاہ کے مقابلہ میں اپنے خودغرض بھائیوں مرزا کامراں اور مرزا عسکری کو اپنے ہمراہ متحد کرنے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن وہ یوسف کے بھائی نکلے اُنھوں نے اس کی بات نہ مانی اور اس سے الگ رہے آخر شیر شاہ نے ۹۴۷ھ میں ہمایوں کو شکست فاش دی اور وہ مجبوراً ہندوستان سے بھاگ کر فارس میں طہماسپ کے یہاں پناہ گزیں ہوا۔

۹۶۱ھ میں جب وہاں سے فوج لیکر پھر ہندوستان پر چڑھائی کا ارادہ کیا اس وقت دیوان حافظ میں فال دیکھی یہ شعر نکلا۔

عزیز مصر برغم برادران غیور　　زقعر چاہ برآمد به اوج ماہ رسید

عزیز مصر اپنے بھائیوں کی منشا کے خلاف کنوئیں کی پستی سے نکل کر چاند کی بلندی پر پہنچا

پہلی لڑائی قندہار میں ہوئی جس میں مرزا عسکری گرفتار ہوا دوسری کابل میں جس میں کامران نے شکست کھائی پھر ہندوستان کی طرف بڑھا اس وقت بھی فال دیکھی یہ

جواب ملا۔

دولت از مرغ ہمایوں طلب و سایۂ او   زانکہ با زاغ و زغن شہپر دولت نبود

مرغ ہمایوں (ہما) کے سایہ میں دولت حاصل کرو چیل اور کوے کے پاس دولت کے پر نہیں ہوتے

آخر وہ ایک مقابلہ کے بعد ۹۶۲ھ میں دہلی کے تخت پر آکر بیٹھ گیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد عادلی نے صوبہ بہار سے لیکر جونپور تک اپنا قبضہ جما لیا اور خود مختاری کا علم بلند کیا سلطان محمد خاں صوبہ دار بنگالہ نے اس پر فوج کشی کی مگر عادلی نے ہیموں کی مدد سے اس کو شکست دیدی ہمایوں نے یہ کیفیت دیکھکر خود اس کی گوشمالی کا ارادہ کیا۔ اس وقت دیوان حافظ میں بھی فال دیکھی کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ شعر نکلا۔

نظر بر قرعۂ توفیق و یمن دولت شاہست   بدہ کام دل حافظ کہ فال بختیاراں زد

بادشاہ کے دولت کے عروج اور توفیق الٰہی کی فال نکلتی ہے حافظ کے دلکا مقصد پورا کر کیونکہ اُس نے خوش قسمتی کی فال نکالی

ہمایوں نے اس فال پر جو یادداشت لکھی ہے اس میں لکھتا ہے کہ" انشاء اللہ چوں فتح ولایات شرقی و مبارزان آں دیار بام کردگار شود نذر خوبے بخواجہ لسان الغیب فرستادہ شود" اس سے اس کی کمال عقیدت کا پتہ ملتا ہے۔

جہانگیر بھی اس سے کم معتقد نہ تھا۔ وہ لکھتا ہے" در بسیارے از مطالب بدیواں خواجہ رجوع نمودہ ام و بحسب اتفاق انچہ برآمدہ نتیجہ مطابق ہماں بخشیدہ و کم است کہ تخلف نمودہ"

جہانگیر نے شہنشاہ اکبر کی آخری عمر میں مئےنوشی بہت زیادہ کردی تھی اس وجہ سے اکبر اس سے رنجیدہ رہتا تھا اس کے ساتھ ہی اس نے ابوالفضل جیسے لایق وزیر کو قتل کرادیا۔ اس سے اس کے غصہ کی آگ اور بھڑک گئی۔ جہانگیر انہیں وجوہات سے الہ آباد میں رہتا تھا۔

سنہ ۱۰۱۴ھ میں اکبر زیادہ بیمار ہوا دربار کے بڑے بڑے امرا راجہ مان سنگھ و خان اعظم وغیرہ اس جوڑ توڑ میں لگے کہ خسرو ولی عہد ہو اور جہانگیر نہو۔ اکبر کے کان جہانگیر کی طرف سے بھرنے شروع کئے۔ جہانگیر کو بھی ان باتوں کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں وہ بہت پریشان تھا کہ کیا کرے اگر جائے تو جان کا خوف اور نہ جائے تو خسرو کامیاب ہو جائے۔ آخر اس نے دیوان میں فال دیکھی مندرجہ ذیل غزل نکلی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا حافظ نے یہ غزل صرف اسی موقع کے لئے لکھی تھی۔

چرا نہ در پئے عزمِ دیارِ خود باشم | چرا نہ خاکِ کفِ پائے یارِ خود باشم
غمِ غریبی و غربت چو بر نمے تابم | بشہرِ خود روم و شہریارِ خود باشم
ز محرمانِ سراپردۂ وصال شوم | ز بندگانِ خداوندگارِ خود باشم
ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود | کنوں بکوشم و مشغولِ کارِ خود باشم
چو کارِ عمر نہ پیدا است بارے آں اولے | کہ روزِ واقعہ پیشِ نگارِ خود باشم

بود کہ لطفِ ازل رہنموں شود حافظ
وگرنہ تا بابد شرمسارِ خود باشم

یہ فال دیکھتے ہی کشتی میں سوار ہو کر سیدھا آگرہ پہنچا مان سنگھ نے شاہی محل کا دروازہ بند کر لیا تا کہ اس کو اکبر تک نہ پہنچنے دے لیکن کسی ذریعہ سے اس کو جہانگیر کے آنے کی خبر ہو گئی۔ اپنے پاس بلایا نگاہیں ملتے ہی تمام گزشتہ رنجشیں مٹ گئیں محبت پدری نے مرنیوالی ہڈیوں میں ایک ولولہ انگیز روح پھونک دی اٹھکر بیٹے کو سینے سے لگا لیا پیشانی چومی سر پر بوسہ دیا اس کے بعد شمشیر خسروی عنایت کی تاج شاہی اس کے سر پر رکھا اور بر سر دربار اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

جہانگیر لکھتا ہے "ہم سعادت خدمت و رضا جوئی و حاضر بودن در واقعہ ناگزیر دست

داد وہم دولت موروثی روزی گشت کہ بعینہ مضمون ایں غزل بود‘‘

حکیم ابوالفتح گیلانی کا بیٹا حکیم **فتح اللہ** خسرو کے طرفداروں میں سے تھا۔ جو دن رات اس فکر میں رہتے تھے کہ جہانگیر کو کسی طرح قتل کر کے خسرو کو قید خانہ سے نکال کر اس کی جگہ تخت پر بٹھلائیں۔ **قاسم علی** نے جس کو جہانگیر نے دیانت خاں کا خطاب دیا تھا اور اس کی خیر خواہی اور وفاداری پر اعتماد رکھتا تھا۔ جہانگیر کو حکیم فتح اللہ کے ارادہ سے مطلع کیا۔ جہانگیر نے حکیم موصوف کو طلب کیا اور پوچھا اس نے قسم کھائی اور کہا کہ میں ہرگز خسرو کا حمایتی نہیں ہوں مگر اس کے تھوڑے ہی دن بعد اس کا راز کھل گیا اور وہ گرفتار کیا گیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ جہانگیر اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال کابل سے لاہور کو آرہا تھا۔ راستہ میں مقام سرخاب میں قیام کیا وہاں کسی جاسوس نے اس کو خبر پہنچائی کہ حکیم فتح اللہ نورالدین (پسر غیاث الدین) اور **شریف** (پسر اعتماد الدولہ) اور بھی کئی ایک اسی قسم کے لوگ پانسو آدمیوں کے ساتھ اس نواح میں اس گھات میں لگے ہوئے ہیں کہ جہاں پناہ کو قتل کر کے خسرو کو تخت نشیں کرائیں۔ یہ سنتے ہی فوراً فوج کا دھاوا ہوا اور باغی گرفتار کئے گئے۔ نورالدین اور شریف وہیں قتل کئے گئے اور فتح اللہ کی بابت یہ حکم ہوا کہ اس کذاب کا منہ سیاہ کر کے گدھے پر اُلٹا سوار کر کے منزل بہ منزل لے چلیں دہلی پہنچکر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت اس نے زمین بوس ہو کر عذر خواہی کی اور کہا کہ لوگوں کے بہکانے سے میں سازش میں شریک ہو گیا تھا ورنہ میں تو دل سے جہاں پناہ کا نیک خواہ اور بندہ درگاہ ہوں۔ جہانگیر کے سامنے اس وقت دیوان حافظ رکھا ہوا تھا۔ اس نے کہا اچھا میں خواجہ سے پوچھتا ہوں اگر تو سچا ہے تو چھوڑ دیا جائے گا۔ حکیم کی خوش قسمتی سے یہ شعر برآمد ہوا ؎

آنکہ پامال جفا کرد چو خاک راہم — خاک میبوسم و عذر قدمش میخواہم

جس نے راستہ کی خاک کی طرح ظلم سے مجکو پامال کر ڈالا میں اُسکے قدمونکی خاک چومتا ہوں اور عذر خواہی کرتا ہوں

من نہ آنم کہ بجور از تو بنالم حاشا — چاکر معتقد و بندۂ دولت خواہم

میں وہ نہیں ہوں کہ کبھی تیرے ظلم سے رنجیدہ ہو جاؤں میں وفادار خادم اور خیر خواہ غلام ہوں

آخر وہ رہا کر دیا گیا۔

رانا امر سنگھ والی اُدیپور شاہان مغلیہ کی ماتحتی نہیں قبول کرتا تھا۔ اکبر نے بھی بہت کوشش کی اور اس سے لڑائیاں کرتا رہا لیکن وہ قابو میں نہ آسکا سنہ ۱۰۶۲ھ میں جہانگیر نے شاہزادۂ بلند اقبال خرم (بعد میں شاہجہاں) کو رانا کی مہم پر بھیجا اور خود بھی اجمیر میں قیام کیا۔ وہاں زیادہ تر اپنا وقت شکار میں گزارتا تھا اتفاقاً کہیں کلغی کا بیش قیمت الماس گر گیا اس نے اس کو فال بد سمجھا بہت پریشان ہوا اور دیوان حافظ سے تفاؤل کیا یہ شعر نکلا

ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد — دل رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

ایک ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بنگیا میرے پریشان دل کو اس سے سکون اور اطمینان حاصل ہوا

اللہ کی شان دوسرے ہی دن صبح کو وہ الماس ملگیا جس سے دل کو سکون ہوا۔

بعد ازاں یہ فال دیکھی کہ رانا زیر بھی ہوگا یا نہیں جواب ملا۔

کنونکہ در چمن آمد گل از عدم بوجود — بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود

اب کہ چمن میں پھول کھلا بنفشہ نے اس کے قدموں پر اپنا سر سجدہ میں رکھا

دو روز کے بعد خبر آئی کہ رانا نے خرم کی اطاعت قبول کی اور حاضر ہو کر قدمبوس ہوا۔ رانا کی مہم سر کرنے کے بعد شاہزادہ خرم کو دکن کی مہم پر روانہ کیا وہاں اس کو پندرہ مہینہ کا عرصہ لگ گیا۔ جہانگیر کو خرم کے ساتھ بیحد محبت تھی اس طویل مفارقت سے

امرا رکام آئے۔ اثنائے جنگ میں عثمان کی پیشانی پر ایک تیر لگا ہر چند کہ زخم کاری پڑا لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی۔ برابر لڑتا رہا اور ساتھیوں کو جوش دلاتا رہا۔ لیکن زخم کی وجہ سے کمزور ہوتا جاتا تھا۔ یہ کیفیت دیکھکر اس کے ساتھی بھی ڈھیلے پڑ گئے اور میدان سے ہٹ گئے آدھی رات کو عثمان اسی زخم سے مر گیا۔ باقی ماندوں نے اطاعت قبول کر لی اور اُن کی جان بخشی ہوئی۔

جہانگیر لکھتا ہی کہ اس مہم کے حکم دینے کے بعد میں نے خواجہ کے دیوان سے تفاؤل کیا تو فال نکلی۔

خوردہ ام تیر نظر بادہ بدہ تا سرمست　　　دست در بند کمر ترکش جوزا فگنم

میں نے تیر نظر کھایا ہی۔ مجھے شراب پلادے تاکہ مست ہوکر میں جواز کے ترکش کے بند پر ہاتھ ڈالدوں

پنڈت خوشگو اپنے تذکرہ میں لکھتا ہی کہ میرے دادا نے جب بڑھاپے کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر کے وطن میں رہنا شروع کیا تو ان کا یہ معمول تھا کہ روزانہ دیوان حافظ لیکر دریائے گنگا کے کنارے چلے جاتے اور وہاں ذوق شوق کے ساتھ اس کو پڑھتے ایک دن اتفاق سے ادہر سے ایک سادھو گزرا جو ایک پرانی گدڑی پہنے ہوئے تھا اس نے کہا کہ تم یہ کیا پڑھ رہے ہو دوسرے دین کے لوگوں کی کتاب نہیں پڑھنی چاہیئے دادا نے جواب دیا کہ جس شخص کی یہ کتاب ہی وہ بڑے گیانی اور مہاتما پرش تھے۔ اس میں اُنھوں نے بڑی اچھی اچھی باتیں لکھی ہیں۔ سادھو بگڑا اور اُس نے کہا گیانی نہیں خاک تھا یہ کتاب پانی میں پھینک دو دادا کو غصہ آیا اُنھوں نے بگڑ کر کہا کہ تم ایسی باتیں نہ کہو ہم سے تم سے وہ لاکھ درجہ بہتر تھے ان کا ادنی کمال تو یہی ہی کہ جو بات چاہیں ان کی اس کتاب سے پوچھ لیں وہ بتا دیتے

بنیاب ہوگیا۔ بیٹے کی واپسی کے لیئے دیوان میں فال دیکھی یہ شعر برآمد ہوا۔

چشم بدور کز اں تفرقہ خوش باز آورد — طالع نامور و دولت مادرزادت

چشم بدور کہ اس جدائی کے بعد تیرا اچھا طالع اور خاندانی نصیبہ خوشی کے ساتھ تجھکو واپس لایا۔

اس کے چند ہی روز بعد خرم نے دکن سے واپس ہو کر مانڈو کے قلعہ میں جہانگیر کی قدمبوسی حاصل کی جہانگیر نے اس موقع پر ہرچند ضبط کرنا چاہا مگر محبت پدری کے جذبہ نے تمکین و وقار کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور بے ساختہ اُٹھکر بیٹے کو سینے سے لپٹا لیا وہ خود اپنی تزک میں لکھتا ہے۔

"بتاریخ یازدہم شوال سن ہزار و بست و شش ہجری بعد از گذشتن سہ پہر و یک گھڑی در قلعہ مانڈو بمبارکی و فرخی سعادت ملازمت دریافت مدت مفارقت پانزدہ ماہ و یازدہ روز کشید بعد از تقدیم آداب کورنش و زمیں بوس بالائے جھروکہ طلبیدم و از غایت محبت و شوق بے اختیار از جائے خود برخاستہ در آغوش عاطفت گرفتم چندانکہ او در آداب و فروتنی مبالغہ نمود من در عنایت و شفقت افزودم و نزدیک حکم نشستن کردم"

صوبہ بنگال میں عثمان افغان نے جو ایک طاقت ور رئیس تھا سر اُٹھا رکھا تھا اکبر نے کئی بار اسکی سرکوبی کے لیئے فوج بھیجی لیکن قابو میں نہ آیا۔ جہانگیر کے تخت نشینی کے ساتویں سال پھر اس نے کچھ شورش کی۔ جہانگیر نے اسلام خاں صوبہ دار بنگال کو حکم بھیجا کہ اس کی اچھی طرح گوشمالی کی جائے۔

اسلام خاں اس وقت ڈہاکہ میں تھا اس نے شجاعت خاں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ عثمان نے بھی بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اس لڑائی میں بہت سے جہانگیری

ہیں۔ سادہو نے کہا اچھا دیکھو مجھے کیا بتاتے ہیں۔ یہ شعر نکلا۔

بزیر دلق مرقع کمندہا دارند — درازدستی این کوتہ آستیناں بیں

پیوند لگی ہوئی گدڑی کے نیچے بہت سی کمند رکھتے ہیں ان چھوٹی آستین والونکی درازدستی تو دیکھو

یہ سننا تھا کہ اس نے خواجہ کو فحش گالیاں دینی شروع کیں داداکو پھر تاب ضبط نہ رہی اُنھوں نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ اس بدزبان کو خوب پیٹو اور ذرا بھی دریغ نہ کرو۔ اس نے پیٹنا شروع کیا مگر گدڑی بہت موٹی تھی چوٹ نہ لگتی تھی آخر اُس نے ارادہ کیا کہ گدڑی اس کے بدن سے کھینچ لے لپک کر کھینچنا تھا کہ نیچے سے آٹھ کمندیں برآمد ہوئیں پھر تو اسکو گرفتار کرلیا۔

مرزا مہدی خاں نادر شاہ کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جب نادر افغانوں کو پسپا کر کے عراق اور فارس پر قبضہ کر چکا تو اس کے ساتھ کے خراسانی لوگ اپنے وطن کو واپس آنا چاہتے تھے۔ اور شاہ طہماسپ اس کو آذربیجان بھیجنا چاہتا تھا نادر متردد تھا کہ کیا کرے۔ خواجہ کی قبر پر گیا اور وہاں جو دیوان رکھا رہتا ہے اس میں فال دیکھی مندرجہ ذیل شعر نکلا۔

عراق و فارس گرفتی بشعر خود حافظ — بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

حافظ عراق اور فارس تو اپنے شعروں سے تم نے فتح کرلیا اب بغداد اور تبریز فتح کرنیکا وقت ہے چلو

چنانچہ اسی کے مطابق اس نے حملہ کیا اور ترکوں کے ہاتھ سے تبریز اور بغداد کو چھین لیا۔

غازیپور میں مولوی عبدالصمد صاحب ایک نہایت معزز وکیل اور بہت بڑے رئیس تھے انہیں کے پڑوس میں زمانہ کے ایک پٹھان رہتے تھے بیچارے

فقر و فاقہ سے بہت تنگ تھے پہلے وہ بستی کے ضلع میں کسی کچہری میں ملازم تھے۔ مگر کوئی وجہ ہوگئی جس سے وہ نوکری جاتی رہی۔ عیال دار آدمی سخت پریشان تھے کوئی صورت گزارے کی نظر نہیں آتی تھی۔ ایک دن اپنی مصیبت کے خیال سے بہت تنگدل تھے کہ یا الٰہی کسطرح کام چلے گا۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی دیوان حافظ میں فال دیکھی یہ شعر نکلا

شد لشکر غم بیعدد از بخت میخواہم مدد　　　تا فخر دیں عبد الصمد باشد کہ غمخواری کند

غم کا لشکر بیحد ہو گیا میں اپنے نصیبہ سے مدد چاہتا ہوں ممکن ہی کہ فخر دیں عبد الصمد میری غمخواری کریں

گو مولوی عبد الصمد صاحب سخاوت اور شرفا نوازی میں بڑے نیک نام تھے لیکن یہ پٹھان آدمی اور کبھی کا کوئی تعلق مولوی صاحب موصوف سے تھا نہیں ان کے پاس جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے مگر آخر دل کے تقاضہ سے جانا پڑا اُنھوں نے جب ان کا حال سُنا تو بہت ترس کھایا اور کوشش کر کے ان کو کچہری میں نوکر رکھا دیا۔

ہمارے ایک دوست مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ماننے والوں میں سے تھے۔ اکثر ہمارے پاس آتے ان سے اسی قسم کی مذہبی باتیں رہتیں ایک دن کہنے لگے کہ دیکھو تو خواجہ حافظ مرزا صاحب کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ ایمان لائے ہیں اور پھر شک کرتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں شک نہیں کرتا۔ بلکہ مجکو تو فالوں پر کوئی اعتقاد بھی نہیں ہی۔ یوں ہی کہتا تھا کہ دیکھو میں نے دیوان کھولا خواجہ نے کہا

[illegible] دائرہ جز نقطہ خلاف از کم و بیش　　　کہ من این مسئلہ بے چون و چرا مے بینم

[illegible]ہ میں سوائے نقطہ کے کوئی چیز ذرا بھی خلاف نہیں ہی اور میرے نزدیک یہ مسئلہ بالکل واضح ہی

[illegible] کچھ نہ سمجھا کہ اس کا کیا مطلب ہی۔ میں نے کہا کہ اس کا یہ مطلب ہی کہ مرزا [illegible]سی دائرہ میں گردش کرتے ہیں۔ جو اسلام کا ہی۔ قران کو اللہ کی کتاب

مانتے ہیں نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔ غرض اعتقاد اور عمل ہر لحاظ سے وہ اسلام کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتے۔ مگر اس دائرہ میں صرف ایک نقطہ غلط ہے۔ وہ مرزا صاحب کی ذات ہے۔ یعنی جب اسلامی تعلیمات پر وہ چلتے ہیں اور اسی پر چلنے کی لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں تو پھر اپنی ذات کو کیوں بیچ میں لاتے ہیں کہ مجھکو مسیح مانو۔ مہدی مانو کرشن مانو یہ خودغرضی ہے اور یہ ہی نقطہ اس دائرے میں غلط ہے ایک مسلمان عالم کی طرح اسلام کی ہدایت لوگوں کو کریں اور اپنی شخصیت کو بیچ میں نہ لائیں تو کچھ قباحت نہیں۔

جنگ روس و جاپان میں جب بحیرہ بالٹک کا بیڑہ جاپان سے لڑنے گیا ہے تو تمام دنیا منتظر تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مہینوں انتظار میں گزر گئے اور ابھی تک بیڑہ نہیں پہنچا ہمارے ایک دوست نے اس بیڑے کے متعلق فال دیکھی یہ شعر نکلا۔

زگریہ مردم چشمم نشستہ در خون ست ۔۔۔ بہ بیں کہ در طلبت حال مردماں چونست

روتے روتے میری آنکھیں خون میں ڈوب گئی ہیں دیکھ کہ تیری جستجو میں پتلیوں کی کیا حالت ہو گئی ہے

یہ شعر پڑھتے ہی ہمارا پنجابی دوست بے ساختہ پکار اُٹھا "روس دا بیڑا غرک" آخر میں اس کا انجام بھی یہی ہوا۔

فالیں ابھی بہت سی ہیں کہاں تک لکھوں ان کے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے اور طبیعت گھبرا گئی۔ اس لیے اب ختم کرتا ہوں۔

حیات جامی

مولانا عبدالرحمن جامی فارسی کے مشہور شاعر کی مکمل سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے اور بڑی تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مصنفہ اسلم جیراجپوری قیمت ۸ر

تاریخ القرآن

قرآن شریف کے ابتدائے نزول سے لیکر آج تک کے تاریخی حالات اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ اپنی نوعیت کی یہ ایک کتاب ہے۔ مصنفہ اسلم جیراجپوری قیمت ۸ر

جہاں آرا

شاہجہاں بادشاہ کی فاضل بیٹی جہاں آرا بیگم کی سوانح عمری۔ اس کے سیاسی۔ مذہبی تمدنی اور علمی کارنامے۔ مصنفہ مولوی محبوب الرحمن صاحب کلیم۔ بی اے وکیل قیمت ۸ر

الفرائض

اہل سنت والجماعت کے قانون وراثت کے متعلق نہایت مکمل کتاب لکھی گئی ہے اُردو میں اس خوبی اور تفصیل کے ساتھ دوسری کتاب اس فن میں موجود نہیں ہے۔ نہایت مکمل اور آسان ہے۔ قیمت ۸ر

خواتین

علی گڑھ کے مشہور زمانہ رسالہ "خاتون" میں نامور اسلامی خواتین کے حالات جو دس برس تک وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور جو ہندوستان کے مشہور اہل قلم کے لکھے ہوئے ہیں ایک جگہ جمع کرکے بترتیب زمانہ و نظر ثانی مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کاغذ بہت اعلیٰ قسم کا حجم تقریباً ۲۵۰ صفحے قیمت عہر

حافظ شیرازی

شبلی

اقبال

محمد اسلم جیراجپوری

حافظ شیرازی کی سوانح (اردو)

سوانح حیات حافظ شیرازی (اردو)

ذکر حافظ ۔ سجاد ظہیر ۔ اردو